ان کے سامنے تم اس غلام سے شادی کرو گی۔ اور پھر یہ آزاد انسان بن جائے گا۔ اگر تم مجھ سے وفادار ہو اور واقعی ملکہ نہیں بنا چاہتیں تو تمہارے پاس دوسرا راستہ نہیں ہے۔'' ملکہ سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی۔ وہ اس وقت متضاد کیفیات کے زیرِ اثر تھی۔

تالیہ کا حلق خشک ہو گیا۔ صحن کی تاریکی اور اوپر چمکتے تارے...ان سب کا سناٹا اس کے اندر اترنے لگا۔ وہ بار بار لب کھولتی' مگر الفاظ جیسے ختم ہو گئے تھے۔ پھر اس نے سر جھکا دیا۔ ''مجھے وعدے نبھانے آتے ہیں' ملکہ۔ آپ ہماری واپس جانے میں مدد کریں گی۔ جواب میں میں اور فاتح (اس کی طرف دیکھا بھی نہیں) وہی کریں گے جو آپ کہیں گی۔''

یان سوفو کا چہرہ ایک دم شانت ہو گیا۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''وانگ لی صبح قاضی کو لے آئے گا' اور اس کے سامنے یہ نکاح ہو گا۔''

''صبح!'' فاتح نے اچنبھے سے ابرو اٹھائی۔ ''اتنی جلدی کیا ہے' ملکہ؟ ابھی تو شادی میں کئی دن پڑے ہیں۔''

''سنو فاتح بن رامزل!'' وہ تیز لہجے میں پھنکاری۔ ''میں شاہِ چین کی بیٹی ہوں۔ قیافہ شناسی کے علوم سے آراستہ کر کے بھیجا تھا مجھے میرے بابا نے۔ چہرہ دیکھ کے سارا ماضی پڑھ لیتی ہوں اور بعض دفعہ مستقبل بھی۔''

''میرے چہرے پہ کیا نظر آتا ہے آپ کو' ملکہ؟''

یان سوفو استہزائیہ سا مسکرائی اور آگے کو جھکی۔

''سچے ہو اور ایماندار بھی۔ نڈر ہو اور بہادر بھی۔ مگر....'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ چبا چبا کے بولی۔ ''خود غرض ہو....مفاد پرست اور سب سے بڑھ کے....بے وفا مرد ہو تم۔ صرف خود سے محبت کرتے ہو اور طاقت کی خواہش رکھتے ہو۔ شہزادی کو تم سے سچی محبت ہے' (تالیہ کی نظریں فوراً جھکیں) مگر تمہیں اس سے محبت نہیں ہے۔ اس لیے تمہارا اعتبار نہیں ہے مجھے۔ صبح سے زیادہ انتظار نہیں کر سکتی میں۔''

وہ چغہ سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ دونوں بھی ساتھ ہی اٹھے۔ وہ اس کے الفاظ پہ ہلکا سا ہنس دیا۔

''آپ مجھے نہیں جانتیں' ملکہ۔ آپ نے میری زندگی نہیں گزاری۔''

ملکہ اس کو نظر انداز کیے تالیہ کی طرف گھومی جو بددل سی نظر آ رہی تھی۔

''تمہارا انتخاب اتنا متاثر کن نہیں تھا' تاشہ۔ عام حالات میں' میں تمہیں کبھی ایسے آدمی سے شادی کا مشورہ نہ دیتی جو صرف خود سے محبت کرتا ہو اور جسے وعدے نبھانے نہ آتے ہوں۔ یاد رکھنا' یہ آدمی کبھی وعدے پورے نہیں کر سکتا۔ مگر خیر....'' اس نے شانے جھٹکے۔ ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ شہزادیوں کی شادیاں ایسے ہی ہوتی ہیں۔''

وہ کہہ کے آگے بڑھی تو تالیہ تڑپ کے اس کی طرف گھومی۔ ''کیا آقا کو پسند آ جانے والی ہر لڑکی کی شادی کروا دیں گی آپ؟ کس کس کو آقا کے نکاح میں آنے سے روک پائیں گی آپ۔''

یان سوفو سکون سے اس کی طرف پلٹی اور گہری سانس لی۔ ''کیا تم بھول گئی ہو کہ میں وہ ملکہ ہوں جس نے تمہارا گاؤں الورسونگائی جلا کے راکھ کر دیا تھا۔ سارے شکار بازوں کو قید کروا لیا تھا۔ تمہیں اپنا وفادار سمجھتی ہوں اس لئے تمہارا نکاح کروا رہی ہوں۔ دوسری کوئی ہوتی تو اس کی گردن اتروا کے چوک میں لٹکا دیتی۔''

اور ایک نگاہ غلط ان دونوں پہ ڈال کے آگے بڑھ گئی۔

''قہوہ کل پیوں گی میں وانگ لی' ابھی میرے ساتھ باہر آؤ۔ مجھے بات کرنی ہے تم سے۔'' بلند آواز سے رسوئی میں موجود وانگ لی کو کہا اور باہر نکل گئی۔ وہ بھی سب کام چھوڑ کے اس کے پیچھے لپکا۔

وہ دونوں چلے گئے تو سرخ حویلی کے سناٹے بڑھ گئے۔ وہ شکوہ کناں سی اس کی طرف گھومی۔

''اچھا بھاؤ تاؤ کر لیتے ہیں آپ۔'' اس کے کان سرخ دہک رہے تھے اور گلا رندھنے لگا تھا۔

''یہ تمہیں ملکہ کے سامنے اپنے اور میرے بارے میں کہانیاں گھڑنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا'' وہ تیزی سے بولا' پھر گہری سانس لی۔ ''مگر خیر.... یہ کہانی سچ بتانے سے بہتر تھی۔ سچ پہ وہ یقین نہ کرتی۔ شہزادی کے لئے بننے والے غلام پہ کر لیتی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

تالیہ کے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ بدقت اس نے حواس پہ قابو پایا۔ ''ظاہر ہے.... میں کہانیاں گھڑنے میں ہی تو اچھی ہوں۔ یہ تو نہیں بتا سکتی تھی کہ خزانے کی تلاش میں ہم چھ سو سال پیچھے آئے ہیں۔ اس لئے یہی کہہ دیا کہ آپ اور میں...'' سر جھٹکا۔ ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔

''تم نے ٹھیک کیا۔ تم یہی کر سکتی تھیں۔''

''ملکہ کے سامنے راضی ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں ایسا چاہتی ہوں'' وہ تیزی سے بولی۔ ''ہم صبح ہونے سے پہلے یہاں سے بھاگ جاتے ہیں۔ الورسونگائی چلے جائیں گے یا کہیں اور لیکن...''

''تالیہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں مراد راجہ سے وہ چابی حاصل کرنی ہے اور اس کے لیے ہمیں مراد کو اپنی بات ماننے پہ مجبور کرنا ہے۔ ہمیں وہی کرنا ہو گا جو ملکہ کہہ رہی ہے۔ اور سنو.... مجھ پہ بھروسہ کرو۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ تم دونوں کو نکال کے لے جاؤں گا یہاں سے تو مجھے اس وعدے کو پورا کرنے کے لیے جو بھی کرنا پڑے میں کروں گا۔ ملکہ میرے وعدوں سے واقف نہیں ہے۔''

''آپ شادی شدہ ہیں' تو انکو۔ آپ کے دو بچے ہیں۔ بیوی ہے۔ آپ اس دنیا میں غلام نہیں ہیں۔ آپ ملک کے اگلے وزیرِ اعظم ہیں۔

میں آپ سے کیسے شادی کر سکتی ہوں؟''

''شادی نہیں کرنی' لڑکی۔ صرف ایک کاغذ پہ دستخط کرنے ہیں جو ہمیں آزادی دلوا سکتا ہے۔ کس طرح.. یہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔ میں

تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ابھی تم ملکہ کی بات مان لو تو میں واپس جاتے ہی تمہیں آزاد کر دوں گا۔ کسی کو علم بھی نہیں ہوگا۔"

تالیہ کا دل ایک دم خالی ہو گیا۔ سارے خدشات' واہمے' خوف سب دم توڑ گئے۔ وہ بس اس کو تعجب اور ملال سے دیکھے گئی۔

"تو یہ کوئی اصلی شادی نہیں ہوگی۔ صرف....صرف ایک پیپر میرج ہوگی۔ جو واپس جاتے ہی ختم ہو جائے گی۔"

"بالکل۔ کیونکہ یہ اسی طرح ہونا ہے۔" وہ اب دھیمے لہجے میں اس کو سمجھا رہا تھا۔ "ہمیں ملکہ یا سلطان کا نہیں سوچنا۔ ہمیں صرف اپنا سوچنا ہے۔ ہمیں وہ کرنا ہے جو اس....اس وقت کی قید سے نکلنے میں ہماری مدد کرے۔"

"اور اس شادی سے ملکہ کے راستے سے میں ہٹ جاؤں گی لیکن "ہمیں" کون سا فائدہ ہوگا؟ مراد راجہ آپ کی جان لے لے گا' تو انکو۔"

"میں نے کہا نا' میرے پاس پلان ہے۔ بھروسہ رکھو۔ یہ اسی طرح ہونا تھا۔"

"تو آپ نے تاریخ کی کتابوں میں یہ پڑھ رکھا تھا۔" اسے اب سمجھ آیا تھا۔ "اور پڑھا تو میں نے بھی تھا۔ شہزادی تاشہ کی شادی ایک غلام سے ہوئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کیوں' مگر آپ جانتے ہیں...آپ صرف مجھے ایک سیاسی چال کے طور پہ استعمال کر رہے ہیں۔ ہے نا؟"

اس کے اعصاب دھیرے دھیرے ڈھیلے پڑنے لگے۔ قسمت کے آگے بے بسی....ان الفاظ کا مطلب آج سمجھ آیا تھا۔

"مجھے یہی کرنا آتا ہے تالیہ' اور جو ہمیں آتا ہے' وہ ہماری جان بچائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ملکہ کی بات مان لیتی ہوں۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے مگر..." وہ ایک دم سپاٹ سی ہو چلی۔ "ایک لمحے کے لئے بھی یہ مت سوچیے گا کہ ملکہ کو بتائی گئی اس کہانی میں کوئی صداقت تھی۔ (تھوک نگلا)۔ میں چاہوں گی کہ جیسے ہی یہ مسئلہ ختم ہو' آپ مجھے فوراً آزاد کر دیں اور عصرہ اور آپ کے بچوں کو بھی علم نہ ہو کہ ایسا کچھ ہوا تھا۔"

"میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے شادی کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے' اور...."

"مجھے آپ سے کیا' کسی سے شادی کرنے میں دلچسپی نہیں ہے۔ ایک تجربہ بہت تھا۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جن کو اپنی تکمیل کے لئے کسی مرد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے زندگی گزارنے کے لئے کسی جنگجو کا ساتھ نہیں چاہیے۔ میرے لئے میری اپنی تلوار ہی کافی ہے۔" آخر میں اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ خود بخود ختم ہو گئی۔ عجیب غصہ سا آنے لگا تھا۔

وان فاتح نے کندھے اچکا دیے۔ "ظاہر ہے۔ میں یہ سب سمجھتا ہوں۔"

"بہت بہتر!" وہ آگے بڑھی' پھر رکی۔ گردن موڑ کے چاندنی میں نہائے صحن کو دیکھا۔ نگاہ ٹھہری تو ٹھہری ہی گئی۔

وہی صحن۔ وہی کنواں۔ اور دوسرے کونے میں خالی جگہ۔ وہ خواب کی سی کیفیت میں آگے بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ صحن میں قدم رکھا۔ ہوا سے چغے کی ٹوپی پیچھے گر گئی اور سنہری بال نظر آنے لگے۔

وانگ لی واپس آیا تو کھنکھار کے اسے مخاطب کیا۔

''ملکہ رخصت ہوگئیں۔آپ کے لیے دوسری بگھی روک رکھی ہے۔کیا آپ قہوہ لیں گی ؟''

''نہیں شکریہ۔'' اس کی بے خود نگاہیں اس صحن پہ جمی تھیں۔عجیب سی پراسراریت تھی اس میں۔جیسے سرخ اینٹوں تلے صدیوں پرانی داستانیں مدفن ہوں۔

''سن باؤ۔'' وہ اسی کیفیت میں بولی۔''یہ کونا خالی کیوں ہے؟ کیا آپ نے یہاں کچھ نہیں بنوایا۔''

''میں نے اس کو مجسمے سازی کے لئے چھوڑ رکھا تھا' شہزادی۔'' وہ ہاتھ باندھے اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''مجسمے کے لئے؟'' وہ چونک کے اس کی طرف مڑی۔''آپ اپنا مجسمہ بنوانا چاہتے ہیں۔''

''ایک زمانے میں بڑی خواہش تھی میری' شہزادی۔مگر پھر وقت نہیں مل سکا۔کیا آپ کو بھی مجسمہ سازی سے شغف ہے۔''

''جی....میں....تصاویر اور مجسمے بنا لیتی ہوں۔تھوڑا بہت یہ کام آتا ہے مجھے۔'' وہ ذرا سا مسکرائی۔

''کیا آپ....'' وہ جوش سے کہنے لگا تو وہ فوراً بولی۔

''نہیں' سن باؤ۔میں مجسمہ بنا سکتی ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کا مجسمہ بنانا چاہتی ہوں۔میں تو یونہی ایک سوال پوچھ رہی تھی۔''

پھر فاتح کو دیکھا جو اس کے صاف انکار پہ ابرو اٹھا کے زیرِ لب بولا تھا۔(سیریئسلی ؟)

''اتنے حیران مت ہو' غلام فاتح!'' وہ چبا چبا کے بولی۔''مجھے وانگ لی کا مجسمہ تراشنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔شاید تمہیں لگا ہو کہ شہزادی تاشہ وانگ لی کا مجسمہ بنائے گی۔یقین کرو' تمہیں غلط لگا ہے۔کیونکہ میں....کوئی مجسمہ بنانے....یہاں نہیں آنا چاہتی۔'' پھر وانگ کو دیکھا اور مسکرائی۔''شب بخیر' سن باؤ۔صبح ملاقات ہوگی۔''

اور سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

ایڈم بن محمد جس وقت شہزادی تاشہ کے کمرے سے ملحقہ بیٹھک میں داخل ہوا وہ سن باؤ کے گھر سے رخصت ہونے والی پرسکون اور سپاٹ تالیہ نہیں لگ رہی تھی۔وہ اڑی رنگت اور پریشان چہرے والی لڑکی لگ رہی تھی جو ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔

''ایڈم!'' اسے دیکھتے ہی تیزی سے اس کی طرف لپکی۔ایڈم نے لاشعوری طور پہ اپنا 'دایاں ہاتھ' پیچھے کر لیا۔

''دیکھیں شہزادی' آپ کے جو بھی ارادے ہیں' میں بتائے دیتا ہوں کہ کسی مسلمان کو اس کے ہاتھ سے محروم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور....''

''ملکہ چاہتی ہیں میں وان فاتح سے شادی کر لوں۔''

محل کے باہر ایک دم تیز ہوا چلی۔کھڑکی میں رکھے چراغ کا شعلہ پھڑ پھڑایا۔

ایڈم بالکل ساکت رہ گیا۔ ہاتھ ڈھیلا سا ہو کے پہلو میں آن گرا۔

"کیا مطلب؟" الفاظ حلق میں پھنس گئے۔

"مطلب میں ہی تو الجھی ہوں۔ اگر وان فاتح سے شادی نہ کی تو سلطان مرسل سے کرنی پڑے گی۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ اس سے پہلے مراد راجہ ہمیں چابی دے دے۔ اس لئے ملکہ نے...." وہ پھر سے دائیں بائیں ٹہلنے لگی اور سارا قصہ سنا ڈالا۔ آخر تک ایڈم سنبھل چکا تھا اور چہرے کے زاویے بگڑ چکے تھے۔

"بہت خوب۔ اور آپ کے خیال میں جب سلطان کو یہ معلوم ہوگا کہ آپ شادی شدہ ہیں تو وہ مسکرا کے کہیں گے ... بہت معذرت' محترمہ' میں نے ایسے ہی آپ کو زحمت دی۔ آپ پیا دیس سدھاریے' میں اپنے گھر کا راستہ ناپتا ہوں۔ جی نہیں چے تالیہ۔" وہ غصے سے بولا تھا۔ پتہ نہیں اسے غصہ کس بات پہ زیادہ آ رہا تھا۔ "اس شادی پہ ایسی قیامت کھڑی ہوگی کہ الامان۔ راجہ مراد آپ کی اور فاتح صاحب دونوں کی جان لے لے گا۔"

"فاتح کا کہنا ہے کہ ان کے پاس پلان ہے۔ وہ راجہ کو قابو کر سکتے ہیں۔"

ایڈم نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ پھر مٹھیاں بھینچ لیں۔ "ان کے وعدے سیاسی وعدے نکلے تو؟"

"وہ چاہتے ہیں میں ان پہ بھروسہ کروں۔"

"اور آپ خود کیا چاہتی ہیں؟"

"میں....." وہ چونکی' پھر سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا اور مسہری پہ بیٹھ گئی۔ "میں رضا مندی دے چکی ہوں' اب میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"فرق پڑتا ہے' چے تالیہ۔" وہ تیزی سے اس کے سامنے آ کے بیٹھا اور امید سے بولا۔ "اگر آپ ایسا نہیں چاہتیں تو مجھے بتائیں۔ ہم کوئی اور حل نکال لیں گے۔ یہ ملکہ تو بالکل اولڈ فیشن ہے۔ اس کے زمانے میں سوائے ممکنہ سوکن کو زہر دینے' الٹا ٹانگنے یا اس کو کسی اور کے ساتھ بھگا دینے کے کوئی حل نہیں ہوتا تھا۔ مگر ہم اسمارٹ زمانے کے اسمارٹ لوگ ہیں۔ بھلے آپ نے ملکہ کو جو بھی کہانی گھڑ کے سنائی ہو' اگر آپ....."

"وہ کہانی نہیں تھی' ایڈم!" اس نے تڑپ کے سر اٹھایا تو بکھرے بکھرے سنہرے بالوں کے ہالے میں زرد پڑتا چہرہ بے بس سا نظر آتا تھا۔ شاہی مورخ کے سارے الفاظ دم گھٹ کے مر گئے۔

وہ وقت کی طرح تھم گیا۔

"تو وہ سچ تھا؟" اس کے بدترین خدشات کی تصدیق ہوگئی تھی۔ "آپ ان کی محبت میں گرفتار ہیں؟ یہ فین گرل ہونے سے زیادہ

شدید ہے۔اوہ چے تالیہ!‘‘اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

تخت و تاج کے لیے جنگیں لڑنے والے....محلوں میں رہنے والے...آخر میں کس مقام پہ آ کے روتے تھے؟ ایک دل تھا جو امیر غریب سب کا ایک ہی طرح سے دھڑکتا تھا۔اوہ چے تالیہ!

تالیہ کی سیاہ آنکھوں کے کٹورے بھیگتے گئے۔

’’یہ صرف ایک خواہش تھی جو میں کبھی پوری نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔وہ شادی شدہ ہیں۔ان کے دو بچے ہیں۔‘‘

وہ کافی دیر کچھ بول نہ سکا۔

’’مگر وہ کہتے ہیں کہ ان کی بیوی کو علم بھی نہیں ہوگا اور وہ آپ کو فوراً چھوڑ دیں گے!‘‘اب کے وہ بولا تو سنجیدہ اور سپاٹ سا تھا۔ بیٹھک میں مدھم بتیاں جل رہی تھیں اور ان کی زرد روشنی میں سامنے بیٹھی شہزادی ایک بے بس' اور مجبور لڑکی سے زیادہ کچھ نہیں دِکھ رہی تھی۔

’’اور یہی تو وہ نہیں جانتے کہ ایسا ادھورا ساتھ میرے لئے کتنا تکلیف دہ ہوگا۔اگر کسی سے صرف پیپر میرج کرنی ہوتی اور بعد میں چھوڑ دینا ہوتا تو مجھے فرق بھی نہ پڑتا۔ایک طلاق ہو چکی ہے میری۔اور جو لڑکی طلاق کو سروائیو کر لیتی ہے وہ ہر چیز سروائیو کر سکتی ہے۔مگر ایڈم....اس کاغذی کھیل کو میں کیسے سروائیو کروں گی۔‘‘

’’چے تالیہ!‘‘وہ ملال سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔’’کیا آپ کے پاس سلطان مرسل سے نجات کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔‘‘

’’میرے پاس شاید بہت سے راستے نکل آتے مگر وان فاتح کو لگتا ہے کہ ان کے منصوبے کے لئے یہ حل بہترین ہے۔تاریخ میں ایسا ہی لکھا ہے۔تاشہ کی شہزادی ایک غلام سے ہی ہونی ہے۔‘‘

’’اور آپ؟ آپ کو کیا لگتا ہے کہ وان فاتح پہ بھروسہ کر کے آپ کوئی غلطی کریں گی یا عقلمندی؟‘‘

’’میں نفع نقصان دیکھے بغیر ان پہ بھروسہ کرنا چاہتی ہوں۔‘‘

ایڈم نے گہری سانس لی اور آنکھیں مسلیں۔پھر کچھ دیر سوچتا رہا۔

’’ٹھیک ہے۔پھر آپ یہ شادی کر لیں۔ہمارے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے اور واپس جا کے وہ آپ کو آزاد کر دیں گے یوں ان کا اپنا گھر بھی محفوظ رہے گا۔کوئی ہرٹ نہیں ہوگا' کسی کا گھر نہیں ٹوٹے گا۔آپ تو ان کے ساتھ رہنے کی خواہش کو کبھی بھی پورا نہیں کرنا چاہتی تھیں نا' تو پھر کیا ہوا جو وہ آپ کو چھوڑ دیں گے۔جذباتیت کے بغیر اس کو ایک منصوبے کی طرح لیں۔جیسے زندگی میں بہت سے کردار کیے ہیں آپ نے' ایسے ہی اس کردار میں بھی ڈھل جائیں۔چند دن کا ایک scam جو ایک دن بلبلے کی طرح پھٹ جائے گا۔‘‘وہ دھیمے لہجے میں سمجھا رہا تھا۔تالیہ نے ملال بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

’’یعنی تالیہ کی شادی ہمیشہ ایک scam ہی ہوگی؟ scam کی طرح شروع....scam کی طرح ختم۔کیا ساری عمر جھوٹ

بولنے کی یہی سزا ہوتی ہے؟ کہ جب زندگی کا سب سے بڑا سچ بولنا چاہو تو کوئی یقین ہی نہ کرے۔"

ایڈم نے نظریں جھکا دیں۔ لمحے شرمندہ شرمندہ سے پھسلتے رہے۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے نم آنکھیں رگڑیں اور گردن اٹھا کے ذرا ہمت سے بولی۔ "میں یہ شادی کر لوں گی اور وان فاتح پہ بھروسہ کروں گی۔ ہم واپس جائیں گے۔ میرا خواب کہتا ہے کہ ہم نئے زمانے میں ہوں گے۔"

"مگر اس خواب میں میں نہیں تھا۔ خیر!" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "آپ نے وانگ لی کا مجسمہ بنانے سے انکار کیوں کر دیا؟" اس نے سارے قصے میں تالیہ کی سنائی گئی دوسری اہم بات کا تذکرہ کیا۔ تالیہ نے بے رخی سے کندھے اچکائے۔

"مجھے کیا ملنا ہے وانگ لی کا مجسمہ بنا کے؟"

"آپ کو عصرہ بیگم نے بتایا تھا نا کہ وانگ لی کا مجسمہ شہزادی تاشہ نے بنایا تھا۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس کی وانگ لی سے دوستی تھی وانگ لی نے خواہش کی کہ وہ اس کا مجسمہ بنائے اسی لیے شہزادی سرخ حویلی میں آیا کرتی تھی۔"

"اور میں نے خواب میں شہزادی کو پشت سے دیکھا تھا۔ وہ یقیناً 'میں' ہی تھی اور وہ مجسمہ بنا رہی تھی۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ مجسمہ بنانے نہیں دراصل بالائی منزل کے مکین سے ملنے جاتی تھی۔"

"اور ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ مکین کون ہے۔ سو مجسمہ بنا لیں شہزادی صاحبہ۔ اس کو آپ کے ہاتھوں سے ہی بننا ہے۔ وانگ لی کی دوستی میں نہ سہی بالائی منزل کے مکین سے ملنے کے لئے ہی سہی۔"

"کیا ضروری ہے کہ ہم ہر کام وہی کریں جو اس کتاب میں لکھا ہے؟ ہونہہ۔ میں تاریخ کو بدلنا چاہتی ہوں۔ میں یہ نہیں کرنا چاہتی۔ بس۔" وہ ناگواری سے اٹھی اور لباس کی احتیاط کیے بغیر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ سادہ مگر لمبے گھیرے کے لہنگے کا کنارا میز کے کیل سے الجھا اور کپڑا پھٹنے کی آواز آئی۔ وہ رکی اور غصے سے کپڑا کھینچا۔ تین چار انچ کا چاک پڑ گیا۔ مگر کپڑا کیل سے علیحدہ ہو گیا۔

"احتیاط سے شہزادی!"

تالیہ نے مڑ کے دبے دبے غصے سے اسے دیکھا۔ "کون سے ہیرے جواہرات لگے ہیں اس لباس میں جو میں احتیاط کروں؟"

"یہ آپ کا لباس ہے اس کے قیمتی ہونے کے لئے یہی کافی ہے۔ ویسے بھی شہزادیوں کے میلے اور پھٹے پرانے لباس بھی صدیوں بعد میوزیم میں رکھے جاتے ہیں یہ تو پھر قیمتی ہے۔" وہ جو سر جھٹک کے آگے بڑھ رہی تھی ایک دم ٹھہر سی گئی۔ جیسے منجمد ہو گئی ہو۔

سارا محل اور ساتھ بہتا ملاکہ کا سمندر.... سب برف بن گیا تھا اور وہ اس میں نیلا برف ہوا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔ دماغ میں جیسے کسی نے برف کی سل گھونپ دی تھی۔

چونک کے اس نے ایڈم کو دیکھا۔ وہ اب ادب سے رخصت لے رہا تھا۔ تالیہ سن کھڑی رہی۔

مگر اس ایک لمحے میں ہر چیز بدل گئی تھی۔

☆......☆......☆

صبح طلوع ہوئی اور شہزادی تاشہ کی خواب گاہ کی کھلی کھڑکیوں سے روشنی نے اندر جھانکا تو تالیہ مراد کو دروازے کے ساتھ کھڑے دیکھا۔ شریفہ سامنے ہاتھ باندھے مودب کھڑی تھی اور تالیہ ہاتھوں میں پکڑا رقعہ پڑھ رہی تھی جو رازداری سے اس تک پہنچایا گیا تھا۔

''اشراق کے وقت تک آپ کو میری حویلی میں ہونا چاہیے' شہزادی تاشہ۔ باقی سب بھی موجود ہوں گے۔ سن باؤ۔''

اس نے رقعہ مٹھی میں مروڑ دیا اور بازو سے بندھا ایک دوسرا رقعہ نکال کے شریفہ کی طرف بڑھایا۔

''سب سامان کی فہرست ہے۔ اسے میری بگھی میں رکھواؤ۔ میں تیار ہونے لگی ہوں۔ پھر مجھے سن باؤ کی طرف جانا ہے۔'' دانستہ اونچی آواز میں بولی کیونکہ کھلے دروازے پہ اس نے مراد کو رکتے دیکھ لیا تھا۔

''سن باؤ وانگ لی کی طرف؟ خیریت؟'' وہ کمر پہ ہاتھ باندھے' شاہی قبا میں ملبوس' سنجیدہ رعب دار سے انداز میں سوال کرتا اندر داخل ہوا تو شریفہ جھٹ سامنے سے ہٹی اور تالیہ نے فوراً سر جھکایا۔ ''راجہ! صبح بخیر۔!'' پھر سر اٹھا کے مسکرا کے بولی۔

''وانگ لی نے مجھ سے ایک خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں اس کا مجسمہ بناؤں۔ شادی تک خود کو مصروف رکھنے کا اس سے بہتر بہانہ مجھے کہاں ملے گا۔ اسی لئے مجسمہ سازی کا سامان لے کر آج وانگ لی کی طرف جانا ہے مجھے۔''

''ویسے۔'' مراد اس کو بغور دیکھنے لگا جیسے سوچ میں پڑ گیا ہو۔ ''شہزادی کو ایک چینی غلام کا مجسمہ بنانا زیب نہیں دیتا۔''

''وہ چینی غلام نہیں سفارتکار ہے۔ ملاکہ کو قرضہ لا کے دے رہا ہے اور ملکہ یان سوفو کا وفادار ہے۔ ملکہ کے وفادار سے تعلقات اچھے رکھوں گی تو مجھے ہی آسانی ہوگی۔''

وہ مراد کے سامنے کھڑی' سادگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔

''تو تم اب اس شادی کے لیے دلی طور پہ راضی ہو؟''

''طاقت میں بڑی کشش ہوتی ہے' راجہ! طاقت کسے بری لگتی ہے؟'' پھر کان کے پیچھے بال اڑستے ہوئے مسکرائی۔ ''امید کرتی ہوں آپ مجھے بھاری زیورات دے کر اس محل سے رخصت کریں گے' راجہ۔ آخر آپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ آپ کے سارے لوٹے گئے سونے پہ مجھ سے زیادہ کس کا حق ہوگا۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''کون سا سونا؟ میں نے کچھ نہیں چرایا۔ ہاں' میری حلال کی کمائی بہت ہے میرے پاس۔ میں سنار کو بھجوا دوں گا۔ زیورات پسند کر لینا۔ اور جو چاہو گی تمہیں ملے گا کیونکہ اس شادی کے بعد وہ ہوگا جو میں چاہوں گا۔''

''دیکھتے ہیں' راجہ!'' اس نے سر جھکا کے کہا تھا۔

مراد کے جانے کے بعد وہ مسہری تک آئی جس کے ساتھ لوہے کی کھونٹی پہ لٹکا لباس نظر آ رہا تھا۔ ریشم کا بنا سادہ سفید لباس۔ لبا اسکرٹ نما لہنگا' اور گھٹنوں تک آتی قمیض۔ اور ایک مفلر جیسا دوپٹہ۔ تینوں چیزوں (باجو کرنگ) کا رنگ سفید تھا۔ نہ کام تھا' نہ زری نہ دبکا۔ ایک ستارہ تک نہ لگا تھا اس پہ۔

سفید ریشم کو ہاتھ سے مسلتے اسے وہ دن یاد آیا جب وہ پہلی دفعہ دلہن بنی تھی۔ سرخ کامدار لہنگا۔

سونے کے ہلکے سے زیورات بھی پہنے تھے۔

ٹیکا بھی تھا۔ اور گلوبند بھی۔

کنگن اور مہندی بھی۔

اس نے سر جھٹکا اور لباس اٹھالیا۔ اسے تیار ہونا تھا۔

دل پہ جو گزر رہی تھی اس سب کو نظر انداز کر کے....اسے بس تیار ہونا تھا۔

☆......☆......☆

اس صبح سرخ حویلی کے صحن میں وہ کنویں کے ساتھ بے مقصد سا کھڑا تھا۔ درخت کی چھایا کے باعث تیز روشنی اس کو نہیں چھو رہی تھی۔ شیو ہلکی بڑھی تھی اور بازو سینے پہ لپیٹے پانی میں جھانکتا کچھ سوچ رہا تھا۔

''تو تم شہزادی تاشہ کے ساتھ ان کے گاؤں سے آئے تھے؟'' آواز پہ وہ چونک کے پلٹا تو دیکھا' وانگ لی قہوے کی پیالی ہاتھ میں لئے' ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

فاتح نے ادب سے گردن جھکائی۔ ''مالک! میں شہزادی کے رازوں کا امین ہوں۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جو ملکہ نے فرمایا وہ درست تھا۔''

''میں جانتا تھا تم عام آدمی نہیں ہو۔ سونے کا ایک ڈھیر دے کر میں نے تمہیں خریدا تھا۔ جیا کے کاروبار کو تم نے اٹھا کے رکھ دیا۔ اور اب ملکہ تمہارے بدلے مجھے سونے کا وہی ڈھیر دینے کو تیار ہیں۔ تم شہزادی سے شادی کے بعد آزاد ہو گے' فاتح!'' وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے پچھتا رہا ہو۔

''آپ میرے لئے ہمیشہ محترم تھے اور رہیں گے۔ کچھ چیزیں نہیں بدل سکتیں' مالک۔''

''واپس جا کے خط لکھتے رہنا۔ مجھے اچھا لگے گا۔'' وہ مڑنے لگا تو فاتح تیزی سے بولا۔

''آپ ملاکہ کو قرض کی دلدل میں نہ دھکیلیں' مالک۔ آپ اس تجویز پہ عمل کرنے والوں میں سے نہ بنیں۔''

''خط لکھتے رہنا' فاتح۔ مجھے اچھا لگے گا۔'' چینی سفارتکار نے نرمی سے یاددہانی کروائی اور قہوے کی پیالی سے گھونٹ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

باہر بگھیوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ مہمان پہنچ چکے تھے۔

جس وقت قاضی کاغذات کا پلندہ لئے برآمدے میں داخل ہوا' سامنے سن باؤ وانگ لی' ایڈم اور فاتح کو فرشی نشست پہ بیٹھے پایا۔ ان کے مقابل وہ بیٹھی تھی۔ زمین پہ سادہ ملے عورتوں کی طرح۔ سفید لباس میں ملبوس' سفید دوپٹہ سر پہ اوڑھے۔ وہ بس نظریں جھکائے اپنے ناخنوں کو دیکھ رہی تھی۔

قاضی نے کاغذات چھوٹی میز پہ رکھے اور دوزانو ہو کے بیٹھا۔ ایک مضطرب نظر وانگ لی پہ ڈالی۔

''سن باؤ.... یہ بہت خطرناک کام ہے۔ مجھے راجہ مراد کے سامنے گواہی دینی پڑے گی۔ کیا شہزادی تاشہ ان خطرات سے واقف ہیں؟''

''راجہ مراد کا اقتدار اب چند دن کا مہمان ہے۔ آپ کو ان سے نہیں' ان کو اب آپ سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ آپ اپنے کام کا آغاز کیجئے۔ باقی سب میں دیکھ لوں گا۔ آپ چینی سفارتکار ہیں۔ آپ کو ملاکہ کا کوئی عہدیدار نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

وانگ لی کا انداز سپاٹ تھا۔ قاضی نے گہری سانس لی اور کاغذات سامنے رکھے۔

''نکاح نامے کی چار نقول بنائی گئی ہیں۔ ایک میرے پاس رہے گی' تصدیق کے لیے.... باقی دونوں آپ کے پاس ہوں گی۔ چوتھی نقل میں وانگ لی کو دے دوں گا۔''

(یعنی ملکہ کو۔) گواہ کے طور پہ سامنے بیٹھے ایڈم نے سوچا تھا۔

وہ بس پژمردہ سا بیٹھا تھا۔ اس کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ صحن میں چڑیوں کے نغمے سنائی دے رہے تھے اور قاضی مقدس کلمات پڑھ رہا تھا مگر ایڈم کو صرف اس کے لب ہلتے دکھائی دے رہے تھے۔ ہر چیز سلوموشن میں ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

اس نے قاضی کو کلمات پڑھتے دیکھا۔

پھر مرد سے رضامندی لیتے دیکھا۔

مرد سپاٹ اور بے نیاز سا تھا۔ اس کے چہرے پہ ڈھیروں سکون تھا۔ وہ جیسے ذہن میں اگلا لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا۔

اس نے بلا تامل رضامندی دے ڈالی۔

پھر قاضی نے سفید لباس والی شہزادی سے پوچھا تو اس نے بے تاثر چہرے کے ساتھ قاضی کو دیکھا اور بے خوف انداز میں اقرار کے بول بولے۔

پھر اس نے دعا کے لئے اٹھے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔

اپنے ہلتے لبوں کو محسوس کیا۔

اتنی سی بات تھی اور ایڈم بن محمد کا دل خالی ہو گیا۔

دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔

قاضی چلا گیا۔ وانگ لی باہر نکل گیا اور روان فاتح اپنے دیگر کام نپٹانے اٹھ گیا۔ ایسے میں صرف صحن میں مجسمہ سازی کا سامان پڑا رہ گیا۔ شہزادی بھی جس خاموشی سے آئی تھی' اس طرح اٹھ گئی۔ مرد اور شہزادی نے ایک دفعہ بھی نظر نہیں ملائی' نہ کسی نے کسی سے کوئی بات کی۔ ایسے لگتا تھا سب مشینی انداز میں ملکہ کا حکم ماننے کے لیے بیٹھے تھے۔ کام ختم ہوا تو وہ اپنی اپنی زندگیوں کی طرف واپس لوٹ گئے۔

تالیہ نے بگھی واپس بھجوادی تھی اور خود پیدل چلتی وانگ لی کے گھر سے نکلی تھی۔ سامنے سبزہ زار تھا اور درختوں کی لمبی قطار۔ وہ ان درختوں کی طرف جانے لگی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' وہ خاموشی سے متوازن قدم اٹھا رہی تھی۔

''کیا محسوس کر رہی ہیں آپ؟'' ایڈم اس سے آملا۔

''جیسے خواب ہو کوئی اور ٹوٹ گیا ہو۔ numb۔ بے حس۔ سرد۔'' وہ سکون میں لگتی تھی' جیسے کچھ ہوا بھی نہ ہو۔ دونوں ساتھ ساتھ گھاس پہ قدم اٹھانے لگے۔

''یہ صحن میں مجسمہ سازی کا سامان کیسا ہے؟ رات تک تو ڈٹی ہوئی تھیں کہ مجسمہ نہیں بنائیں گی۔''

وہ رکی اور اس کی طرف گھومی۔ ایڈم بھی ٹھہر گیا۔ دونوں اب درختوں کے بیچ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ قریب میں گھوڑے چرتے دکھائی دے رہے تھے۔

''تم نے کہا تھا صرف اپنا سوچوں۔ سو میں صرف اپنا سوچ رہی ہوں اب۔ تم نے کہا تھا کہ میں ایک لالچی عورت ہوں جس کی زندگی کے سارے بڑے فیصلے خزانے کی کھوج کے گرد گھومتے ہیں۔ میں نے اس بات کو کھلے دل سے قبول کر لیا ہے' ایڈم۔''

''میرا وہ مطلب نہیں....''

''میں واقعی ایک خزانے کے پیچھے بھاگنے والی لڑکی ہوں' ایڈم! اور مجھے خزانہ مل گیا ہے۔'' وہ کھلے دل سے مسکرائی۔ ایک دم وہ کے ایل والی تالیہ لگنے لگی تھی۔ غلام سے نکاح اور شہزادی کا رتبہ' وہ سب جیسے ہوا ہی نہیں تھا۔

''خزانہ نہیں ہے' بے تالیہ۔''

''بالکل۔ خزانہ نہیں ہے' ایڈم! خزانے ہیں۔'' وہ مسکرا کے بولی تو ایڈم کے ابرو حیرت سے بھنچے۔

''خزانے؟''

''سن باؤ کا گھر۔ اور سن باؤ کا مطلب ہوتا ہے 'تین خزانے'۔''

''وہ تو صرف وانگ لی کا لقب ہے اور....''

''چھ سو سال تک وہ گھر 'تین خزانوں والا گھر' کہلاتا رہے گا۔'' وہ زور دے کر بولی۔ ''اس گھر میں تین خزانے ہیں' ایڈم!''

''تین خزانے؟''

''ہاں ۔ پہلا خزانہ 'وقت کا خزانہ' تھا۔ جس کا قفل ہم نے کھول لیا۔ تیسرا خزانہ میں نہیں جانتی کیا ہو گا مگر دوسرا خزانہ وہ ہے جو میرے خواب میں' میں اور تم ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ خزانہ جو ہمیں واپس جا کے بے تحاشا امیر کر دے گا۔''

''وانگ لی کے گھر میں خزانہ مدفن ہے؟'' وہ ہکا بکا رہ گیا۔

''عصرہ نے کہا تھا' شہزادی تاشہ' وانگ لی کی دوستی کے باعث اس گھر میں آتی تھی۔ مجھے اپنے خواب سے لگا تھا کہ وہ بالائی منزل کے مکین سے ملنے آتی تھی۔ لیکن یہ دونوں باتیں غلط تھیں۔'' اس کی مسکراہٹ میں اب شرارت در آئی تھی۔ ''میں وہ مجسمہ بنانے روز جاؤں گی وانگ لی کے گھر.... لیکن اس کی ایک تیسری وجہ ہے!'' وہ مسکرا کے بتا رہی تھی اور وہ دنگ سا کھڑا تھا۔

''میں وہاں 'دوسرے خزانے' کے لئے جاؤں گی۔''

''کیا وہاں خزانہ مدفن ہے جس کو ہم نے کھودنا ہے؟''

''نہیں ایڈم۔ ہم نے خزانہ دبانا ہے۔ چھ سو سال بعد ہم واپس جا کے اس خزانے کو اسی گھر سے نکالیں گے۔'' اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ ایڈم کا منہ کھل گیا۔

''آپ سن باؤ کے گھر میں زیورات وغیرہ دبانا چاہتی ہیں؟'' وہ اب بھی نہیں سمجھا تھا۔

''زیورات نہیں۔ میں کتنے ہی سونے چاندی اکٹھے کر لوں' وہ بیچ بیچ کے ختم ہو جائیں گے۔ کے ایل میں' میں ایک سوشلائیٹ ہوں' اور ایک چور۔ تم ایک باڈی مین ہو۔ بھگوڑے فوجی۔ ہم دونوں حقیقتاً امیر نہیں ہیں۔ اور ہم دونوں کو امیر ہونے کے لئے خزانہ چاہیے۔ اصلی خزانہ۔ ہمیں کچھ اور دبانا ہے۔''

سبزہ زار پہ ایک دم خاموشی چھا گئی۔ ایڈم ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو اگر واپس جانے کا اتنا یقین ہے تو آپ تھیلے میں سب ساتھ لے جائیں۔ دفن کرنا کیوں ضروری ہے۔''

''میرے پاس زیور بہت کم ہے' ایڈم۔ اور مجھے کروڑوں ڈالرز کا خزانہ چاہیے۔ اگر زیور ساتھ لے گئے تو وہ وقت کا سفر طے کر کے ہمارے ساتھ نئے زمانے میں چلا جائے گا۔ وہ نیا ہی رہے گا۔ وہ age نہیں کرے گا۔ جیسے میرے خواب میں یہ انگوٹھی (ہاتھ اٹھا کے انگوٹھی دکھائی) میری انگلی میں بالکل نئی لگ رہی تھی۔''

''تو آپ زیور کو یہاں دفن کرنا چاہتی ہیں؟''

''نہیں۔ میرے پاس اتنا زیادہ زیور ہے ہی نہیں اور زیورات کی 2016 میں کوئی اہمیت نہیں ہے' ایڈم۔ مگر جانتے ہو کس چیز کی ہے؟''

''کس کی؟'' وہ تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''شہزادیوں کے استعمال شدہ پھٹے پرانے کپڑوں کی! تم نے ہی تو مجھے کل بتایا تھا۔قدیم زمانے کے عام سے برتن' کتابیں' خطوط اور دوسری چیزیں نئے زمانے میں antique بن جاتے ہیں جو کروڑوں ڈالرز کے بکتے ہیں۔ جو نیلامی میں لگائے جاتے ہیں۔ جو میوزیم میں سجائے جاتے ہیں۔''

''اوہ۔'' اسے بالآخر سمجھ آنے لگی تھی۔تالیہ جوش سے بتا رہی تھی۔

''ہم شہزادی تاشہ' سلطان مرسل' ملکہ یان سوفو اور راجہ مراد کے زیرِ استعمال عام سی چیزیں اکٹھی کریں گے اور ان کو سن باؤ کے مجسمے تلے زمین میں دبا دیں گے۔ہم جانتے ہیں کہ چھ سو سال بعد بھی وہ مجسمہ وہیں موجود رہے گا۔اسے آنچ تک نہیں آئے گی۔ہم ان چیزوں کو اپنے ساتھ وقت کے دروازے میں سے نہیں لے کے جا سکتے۔ ورنہ وہ میری انگوٹھی کی طرح نئے رہیں گے۔ وہ بریسلیٹ اور چابی کی طرح age نہیں کریں گے۔''

''اور antique بننے کے لئے ان کا age کرنا ضروری ہے۔ان کی عمر گزرنا ضروری ہے۔'' وہ سمجھ رہا تھا۔

''ہاں۔اور یہ خزانہ ''چوری شدہ'' نہیں ہوگا۔ یہ ہم نے اپنی محنت سے کمایا ہوگا۔ فاتح بن رامزل مجھے وہاں جاتے ہی چھوڑ دیں گے۔ان کی زندگی میں میری کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ پھر میرا کیا ہوگا؟ میں نے وعدہ کیا تھا کہ اب کوئی غلط کام نہیں کروں گی۔ مجھے اپنے خواب پانے کے لئے یہ خزانہ چاہیے ہے ایڈم۔ یہ ہماری زندگیاں بدل دے گا۔اور یہ..... ''جائز'' ہوگا۔''

وہ دم بخود کھڑا تھا۔''آپ کا دماغ....کیسے کام کرتا ہے' چے تالیہ؟ یہ اتنے شیطانی منصوبے کہاں سے آتے ہیں آپ کو؟''

تالیہ نے ابرو خفگی سے بھینچے۔

''بکومت۔یہ بتاؤ' کیا میرا ساتھ دو گے؟ کیا چند بے کار چیزوں کو چھ سو سال کے لیے دفن کرنے میں میری مدد کرو گے؟''

''پانچ سو ستاون سال!''

''زیادہ میرے autocorrect نہ بنا کرو۔شکر ادا کرو کہ میں تھی۔میرے پلانز تھے۔''

''آپ شکر کریں کہ آپ کو میرے جیسا مفت کا غلام ملا ہوا ہے۔'' وہ دونوں اب آگے بڑھ رہے تھے اور ان کی آواز دور ہوتی سنائی دے رہی تھی۔

''مفت کا کیوں؟ خزانے میں سے بیس فیصد حصہ دوں گی تمہیں۔''

''ایک منٹ ایک منٹ۔بیس فیصد کس خوشی میں؟ ہم ففٹی ففٹی کریں گے۔''

''ففٹی فیصد دماغ تو ہے نہیں تمہارا ہونہہ۔سارا پلان میرا' ساری محنت میری۔تمہیں صرف مورل سپورٹ کے لئے رکھا ہے۔اور زیادہ سودے بازی نہ کرو میرے ساتھ' ورنہ شہزادی کے جلال سے واقف نہیں ہو تم۔''

ایڈم نے چلتے چلتے بے اختیار اپنا دایاں ہاتھ جیب میں ڈال لیا۔

''تو شہزادی نہ وان فاتح کی محبت میں اس گھر میں آتی تھی' اور نہ ہی وانگ لی کی دوستی میں۔ وہ صرف خزانہ دفن کرنے آتی تھی۔ آپ ناو یسے بالکل نہیں بدلیں گی۔ اور مجھے یقین ہے کہ اب آپ مجھ سے ''بنگار املایو'' میں یہی لکھوائیں گی کہ شہزادی وانگ لی کی دوستی میں اس گھر میں آتی تھی۔ اے مکرم فرشتے!'' اپنے بائیں کندھے کو دیکھ کے بولا۔ ''میرے اعمال نامے میں سے بنگار املایو نکال دو' خدا کے لئے۔ اس کے سارے جھوٹوں میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''ویسے ایک بات ہے.... وہ نظم جوسن باؤ کے گھر کی دیوار پہ لکھی تھی... شہزادی تاشہ والی... وہ یہاں نہیں لکھی۔ وہ بھی یقیناً میں ہی لکھوں گی۔ مگر کیوں؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ ایڈم کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

وہ دونوں درختوں کے درمیان اب اوجھل ہو رہے تھے۔

دورسن باؤ کی حویلی کی بالائی منزل کی کھڑکی میں کھڑے فاتح نے مسکرا کے ان کو دور جاتے دیکھا تھا۔ وہ ان کی باتیں نہیں سن سکتا تھا' مگر اس کو ڈھیروں اطمینان میسر تھا۔

جھک کے اس نے پانی کے پیالے میں رومال ڈبویا اور گردن کے پیچھے لیپ شدہ غازہ رگڑ کے صاف کیا۔ وقت کی مہر واضح دکھائی دینے لگی۔

اس کو ظاہر کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

ہر شے پلان کے مطابق ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

اس صبح قدیم ملاکہ میں زور کی بارش ہوئی تھی مگر دوپہر تک مطلع صاف ہو گیا اور سورج نکل آیا تو سارے میں دھوپ چھاؤں جیسا موسم ہو گیا۔ ایسا آنکھ مچولی والا موسم تھا کہ الامان۔

''جیا'' کی رسوئی میں فاتح زمین پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ گود میں بہت سے پتے رکھے تھے جن کو وہ ٹہنیوں سے علیحدہ کر کے ایک ٹوکری میں ڈال رہا تھا۔ ہاتھ تیز تیز چل رہے تھے اور پوروں میں پتوں کی مہک رچ بس گئی تھی۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں' ڈیڈ!'' اداس سی آریانہ اس کے ساتھ آ بیٹھی تو اس نے نظر اٹھائی۔ سفید ہیئر بینڈ لگائے' وہ چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے' چوکڑی مارے بیٹھی اسے یاسیت سے دیکھ رہی تھی۔

''کہتے ہیں قدیم چینی بادشاہ Shen Nong ایک دفعہ سفر پہ نکلا تو ایک جگہ پڑاؤ کے دوران اس کے غلام عادتاً اس کے لئے لکڑیاں جلا کے پانی ابالنے لگے۔ ہوا چلی اور درخت سے ایک پتہ ٹوٹ کے پانی میں جا گرا۔ کسی کو علم تک نہ ہوا اور معمول کے مطابق

غلاموں نے بادشاہ کو کڑھا ہوا پانی پیش کر دیا۔ بادشاہ نے اسے پیا تو ذائقہ بے حد مختلف تھا۔ اس کڑھے پانی نے اسے تازہ دم کر دیا۔ اس نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ایک پتہ پانی میں گرا تھا۔ کہتے ہیں بادشاہ shennong وہ پہلا انسان تھا جس نے پتے ابال کے پہلی 'چائے' بنانے کی روایت ڈالی۔ تب سے لوگ پتوں کو ابال کے قہوہ' چائے اور 'جیا' بنانے لگے۔ میں بھی اس وقت چائے کے پتے علیحدہ کر رہا ہوں۔"

"میں اس کی بات نہیں کر رہی۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" وہ دلبرداشتہ سی بولی۔

"میری ماما کا کیا ہوگا' ڈیڈ؟ آپ کیسے کسی اور سے شادی کر سکتے ہیں؟"

"یہ صرف ایک کاغذی معاہدہ ہے' اور یہ ہمیں یہاں سے آزاد کر دے گا۔" وہ سر جھکائے پتے توڑ رہا تھا۔

"مگر کیسے؟"

"قدیم کہاوتیں کبھی غلط نہیں ہوتیں' آریانہ۔ اور ایسی ہی ایک کہاوت کہتی ہے کہ سچ تمہیں آزاد کر دے گا مگر...."

"مگر پہلے وہ تمہیں غصہ دلائے گا۔" اس نے جھٹ فقرہ مکمل کیا۔

"تو صرف سچ ہے جو ہمیں آزاد کرے گا۔" وہ ٹوکری رکھ کے اٹھ کھڑا ہوا' کپڑے جھاڑے اور جوتے پہنے۔ آج کل وہ خود سے باتیں کم کرتا تھا۔ اس کے پاس سارے جواب موجود ہوتے تھے۔ سادہ کرتے' پاجامے' کمر کے گرد کپڑا باندھے' وہ پہلے سے زیادہ پرامید لگ رہا تھا۔

"جو اس دنیا میں ہوگا' وہ اس دنیا میں ہی رہ جائے گا۔ میں کوئی نیا رشتہ ساتھ نہیں لے کر جاؤں گا۔ مجھے کسی رشتے کو بنانے میں دلچسپی نہیں ہے' آریانہ۔ مجھے صرف آزادی چاہیے۔" اور پھر وہ مڑ گیا۔ آریانہ اس کی گردن کے پیچھے ثبت مہر دیکھ سکتی تھی۔

ہال کمرہ کھچا کھچ بھرا تھا۔ میزیں لگی تھیں اور لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ کمرے کے آغاز میں ایک چبوترہ سا بنا تھا۔ وہ اس پہ کھڑا ہوا اور بلند آواز میں بولا۔

"مجھے پرسوں کسی نے 'غلام فاتح بن رامزل' کہہ کے پکارا تھا۔" اس کی آواز کی گرج اور بھاری پن سے کئی ہاتھ رکے۔ کئی گردنیں مڑیں۔ وہ کمر پہ ہاتھ رکھے کھڑا' کمرے کے ایک کونے سے دوسرے تک سب کو باری باری دیکھتا کہہ رہا تھا۔

"اور میں نے اس سے کہا کہ میرا نام غلام نہیں ہے اور مجھے میرے نام سے پکارا جانا چاہیے۔ جانتے ہو کیوں؟"

جیا کے نیم تاریک ہال میں خاموشی چھانے لگی۔ لوگ اس کو دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ لقمے چبانے لگے۔ برتنوں کی کھٹر پٹر کم ہوگئی۔

"کیونکہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ اس نے بنی آدمی کو عزت بخشی۔ ان کو 'اکرام' سے نوازا۔ ملاکہ کے لوگو.... آدم علیہ السلام کی اولاد کا ہر شخص خواہ وہ نیک ہو یا بدکار' امیر ہو یا غریب' کالا ہو یا گورا' مسلمان ہو یا غیر مسلم' ہر انسان.... عزت کے.... قابل ہوتا ہے۔" وہ ہاتھ اٹھا کے زور دے کر بول رہا تھا۔ لوگ خاموشی سے سن رہے تھے۔ لب ہل رہے تھے۔ گھونٹ بھرے جا رہے تھے مگر آواز نہیں آتی تھی۔

''بھلے ہمیں کوئی انسان برا لگتا ہو.... بھلے ہمیں کسی سے نفرت ہو.... مگر ہم سب پہ لازم ہے کہ ہم ہر انسان کی عزت کریں کیونکہ اللہ نے سب کو عزت سے نوازا ہے۔ جانور صرف کھانے اور سائبان کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہے۔ انسان نہیں۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے 'عزت' بھی چاہیے ہوتی ہے۔''

وہ بلند آواز میں قدرے خفگی سے کہہ رہا تھا اور لوگ سن رہے تھے۔

''کیوں بے عزت ہونے کے بعد لوگ شہر چھوڑ دیتے ہیں' خودکشی کر لیتے ہیں' یہاں تک کہ غم سے مر بھی جاتے ہیں؟ کیونکہ انسان نہیں رہ سکتا عزت کے بغیر۔ تم کیسے لوگ ہو؟ تمہیں تمہارے گھروں سے اغوا کر کے یہاں غلام بنا لیا گیا ہے اور تم اپنے مالکوں کی جھڑکیاں سنتے ہو مگر اپنے لئے کھڑے نہیں ہوتے؟''

اسے جیسے ان لوگوں پہ بے حد غصہ تھا۔ وہ چپ چاپ سنے گئے۔

''یاد رکھو۔ اگر کسی انسان کی محبت یا خوف تمہیں اتنا بے بس یا بے حس بنا دے کہ وہ تمہاری بے توقیری کیے جا رہا ہے اور تم چپ چاپ برداشت کر رہے ہو تو تم جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ انسان کو کسی بھی رشتے میں اپنی عزت قربان نہیں کرنی چاہیے۔ تم اچھے ہو یا برے' تم معزز ہو۔ تمہارے معزز ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ تم آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔''

کچھ لوگ خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ کچھ خاموشی سے کھا رہے تھے۔

''میں یہاں تم لوگوں کو مفت میں اگر کھانا دلواتا ہوں تو عزت کے ساتھ۔ تا کہ تم اپنی عزت خود کرنے لگو۔ خدا کے لئے اپنی قدر کرنا سیکھو۔ جانوروں کی طرح دوسروں کی ناجائز باتیں مت برداشت کرو۔ اپنے حق کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ اکٹھے ہو جاؤ اور احتجاج کرو۔ سلطان کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ تمہارے اوپر ظلم ہو رہا ہے۔ اسے بتاؤ کہ تمہیں کسی منڈی میں نہیں خریدا گیا۔ تمہیں ناجائز طور پہ غلام بنا کے بیچا گیا ہے۔ میں تمہارے لئے سلطان کے پاس جانے کو تیار ہوں' ملاکہ کے لوگو.... لیکن کیا تم لوگ اپنے لئے میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو؟''

کچھ نے ایک دوسرے کو دیکھا مگر وہاں ہر چہرے پہ تھکن تھی۔ گردنیں واپس پلٹ گئیں۔ برتنوں کی آواز آنے لگی۔ کھانا دوبارہ سے کھایا جانے لگا۔ فاتح نے گہری سانس بھری سر جھٹکا اور چبوترے سے اتر آیا۔ پھر کونے میں دیکھا تو آریانہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی تھی۔ اسے متوجہ پا کے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ (یہ لوگ بہت بزدل ہیں' ڈیڈ۔)

''ایک دن آئے گا جب یہ لوگ اپنے لئے کھڑے ہوں' آریانہ۔ کیونکہ یہ تاریخ میں لکھا ہے۔ یہ قسمت میں لکھا ہے۔ بس تم انتظار کرو۔'' وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوتا رسوئی کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے چہرے پہ کوئی اضطراب' مایوسی کچھ نہ تھا۔

کونے کی ایک میز پہ بیٹھے چغہ پوش آدمی نے غور سے اسے جاتے دیکھا۔ مدھم رشنیوں کے باوجود اسے 'جیا' کے اس نمایاں' خوش شکل اور تنومند سے غلام کی گردن کی پشت پہ ایک جلنے کا داغ سا نظر آیا تھا۔

آدمی نے جیب سے رقعہ نکالا اور کھول کے دیکھا۔ اس پہ بنا خاکہ ہوبہو ویسا تھا۔ وہ بالآخر مسکرایا۔ پھر چپ چاپ اٹھا اور قہوہ خانے سے باہر نکل گیا۔

اسے بنداہارا کا مطلوبہ شخص مل گیا تھا۔

اب اس کا رخ مرادراجہ کے محل کی جانب تھا۔

☆......☆......☆

رات کا سیاہ آسمان تھا....چاند چمک رہا تھا....اونچے ٹیلوں کا راستہ پیدل چلنے کے لیے دشوار گزار اور پتھریلا تھا۔ مگر وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے....تالیہ آگے تھی....ایڈم پیچھے تھا۔ ان لباس اندھیرے کے باعث ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا تھا....بس تاریکی میں گویا دو ہیولے تھے جو اوپر چڑھتے جاتے تھے۔

سامنے سبزہ زار دکھائی دیا اور چاندنی میں نہائے درخت تو وہ سانس لینے کو رکی۔ جب سے مجسمہ بنانا شروع کیا تھا' ہر رات وہ دونوں یہاں آ کے درختوں میں کچھ چیزیں چھپا جاتے تھے۔ دوپہر میں جب وہ شاہی بگھی میں حویلی آ کے مجسمے کا کام شروع کرتی تو ایڈم ان کو درختوں کی کھوہ سے نکالتا اور لباس میں چھپائے اندر لے آتا۔ کسی سپاہی کو علم تک نہ ہوتا کہ وہ دونوں مجسمے کی بنیاد میں کیا بھر رہے ہیں۔

آج وہ درخت میں چند برتن چھپانے کے بعد پلٹی نہیں۔ بلکہ سن باؤ کے گھر کی طرف آ گئی۔ سن باؤ آج کسی تقریب میں گیا تھا اور گھر پہ نہیں تھا۔ حویلی خاموش پڑی تھی۔ اکا دکا غلام جو یہاں ہوتے تھے' وہ بھی غالباً جیا پہ تھے۔

حویلی کا دروازہ کھلا تھا۔ اس زمانے میں لوگ اپنے گھروں کے دروازے مقفل نہیں کرتے تھے۔ وہ چغے کی ٹوپی سر پہ جمائے تیزی سے اندر داخل ہوگئی تو ایڈم کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

''بے تالیہ....'' وہ پیچھے سے ہانپتا ہوا آیا تو تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا ایڈم!'' وہ راہداری میں آگے بڑھتی گئی اور صحن میں آ گئی۔

''آپ کیا کرنے جا رہی ہیں؟'' وہ زچ ہو گیا۔

''میں ہم دونوں کو بہت امیر کرنے جا رہی ہوں ایڈم!'' وہ آخری دیوار تک آئی اور اندھیرے میں اسے ٹٹولنے لگی۔

وہ چلتے چلتے بیچ صحن تک آیا اور رک کے اسے دیکھنے لگا۔

''کیسے؟''

وہ پلٹی اور چمکتی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تاشہ کے خزانے سے جسے ہم دونوں کھود کے نکالیں گے۔''

''وہ تو مجھے معلوم ہے مگر ابھی آپ کیا کر رہی ہیں؟''

''میں اپنے لیے نشانی چھوڑ رہی ہوں۔'' وہ دیوار کے اس کونے تک آئی جہاں اس نے خواب میں ایک نظم لکھی دیکھی تھی۔

''کیا؟'' وہ حیران رہ گیا۔

''کیا تم اب بھی نہیں سمجھے ایڈم کہ تاشہ نے اس دیوار پہ وہ نظم کیوں لکھی تھی؟'' وہ مسکرائی۔

''کیوں؟''

''تاکہ ایڈم اور تالیہ اس دیوار تک جائیں اور وہاں مدفن خزانے کے راز کو کھود نکالیں۔ لیکن ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ مجسمے سے کتنی اینٹوں کے فاصلے پہ ہم نے خزانہ دبایا تھا؟ وہ نظم جس مقام پہ لکھی جائے گی' اس کی سیدھ میں خزانہ ہوگا۔ ایک دفعہ ہم خزانہ نکال لیں تو ہم دنیا کے سب سے طاقتور لوگ بن جائیں گے' ایڈم۔'' وہ ایک اینٹ پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ یہ اس جگہ کی سیدھ میں تھی۔ اس نے وہاں چاقو سے نشانی لگائی۔ صبح وہ ادھر نظم لکھ دے گی۔

''اور وان فاتح؟ ان کا کیا؟'' ایڈم نے یاد دلایا۔ وہ دونوں اب خاموشی سے گھر سے باہر آ گئے تھے اور درختوں کی طرف جا رہے تھے۔

''وہ زر اور زمین سے بے نیاز انسان ہیں۔ ان کو خزانے کی خبر تک نہیں ہوگی۔ یہ صرف میرا اور تمہارا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ جب ہم نئے زمانے میں جا کر اس جگہ کو کھودیں گے تو خزانہ وہاں موجود ہوگا۔ ہم نے خاص حفاظتی طریقے سے بنیادوں میں اسے بھرا ہے۔''

''ویسے نئے زمانے میں اس سب کی قیمت کیا ہوگی؟'' اس کو بھی دلچسپی ہوئی۔

''بنداہارا کی نوکرانی شریفہ کے خطوط سے لے کر سلطان کے زیرِ استعمال مہر شدہ جام تک' یہ ساری چھنگی ہوئی چیزیں جب ہم نکال کے ماہرین کے پاس ٹیسٹ کے لئے کر جائیں گے تو یہ چیزیں ہر ٹیسٹ پاس کر جائیں گی۔ ہم ان کی عرب اور یورپی ممالک میں نیلامی کروائیں گے اور ایک ایک چیز کروڑوں ڈالر میں بکے گی۔ تم اور میں بہت امیر ہونے جا رہے ہیں ایڈم!''

پھر ایک دم وہ مسکرائی اور اوپر سیاہ آسمان کو دیکھا۔

''یہی منظر تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ مجھے لگا تھا اس میں ہم خزانہ ڈھونڈنے کی بات کر رہے ہیں مگر نہیں۔ ہم اس میں خزانہ دبانے کے بعد کھود کے نکالنے کی بات کر رہے تھے۔ سارے چکر وقت کے تھے ورنہ ہر بات سمجھ میں آ سکتی تھی۔''

وہ دونوں اب سبزہ زار سے نیچے اتر رہے تھے جہاں ان کے گھوڑے منتظر کھڑے تھے۔ پہلی دفعہ ایڈم کو اس کی باتوں سے امید ہونے لگی تھی۔ واپس جا کے.... وہ بھی امیر ہو جائے گا۔ واہ!

☆......☆......☆

مجسمے کو بناتے بناتے یہ چھٹا دن آ پہنچا تھا۔ اس دوپہر وہ سن باؤ کے صحن میں موجود تھی اور کام کر رہی تھی۔ سنہرے بالوں کا جوڑا

بنائے' شفاف چہرہ لئے وہ مخملیں چغے میں ملبوس تھی۔ زیور پہنے ہاتھوں پہ گارا ابھی تک لگا تھا۔ بنیادیں بھری جا چکی تھیں اور مجسمے کی ٹانگیں بن چکی تھیں۔ تالیہ پیچھے ہٹی اور توصیفی انداز میں مجسمے کو دیکھا۔

''میرے آرٹ کو مانتے ہو یا نہیں؟'' ساتھ کھڑے ایڈم سے ستائش طلب کی۔ اس نے گہری سانس لی۔

''قیامت کے دن اس میں جان ڈالنی پڑے گی آپ کو' محترمہ۔ میرے اعمال نامے کو ان سیاہ کاریوں سے دور رکھیے!''

تالیہ نے تنک کے اسے دیکھا۔ ''چوری کرنے سے تو یہ بہتر کام ہے نا! اور پھر ایک دن میں اس کو خود ہی گرا دوں گی۔ جب.... ہم وہ خزانہ نکالیں گے!'' دبے الفاظ میں یاد کروایا۔

''چلیں۔ مان لیا۔ اچھا اگر آپ کو مجسمے سے فرصت مل جائے تو مجھے ان کتابوں کا بتایئے گا' شہزادی صاحبہ۔ وہ ہمیں بنداہارا کے خزانے تک لے جا سکتی ہیں۔'' اس نے بھی آواز دھیمی کی۔

''تم محل واپس جاؤ' ایڈم۔ ملکہ نے وہ کتابیں تمہارے کمرے میں اب تک بھجوا دی ہوں گی۔''

ایڈم کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ ''اور آپ مجھے اب بتا رہی ہیں؟ جانتی ہیں' تین چاند والے جزیرے پہ چھپی دولت ملاکہ کے لوگوں کی امانت ہے اور اس کا ڈھونڈنا بہت ضروری تھا۔''

''مگر میں ٹھہری لالچی' خود غرض چور عورت۔ میرے لئے میرا خزانہ (مجسمے کے قدموں کی طرف اشارہ کیا) زیادہ ضروری تھا۔ اب جاؤ تمہارا کام یہاں ختم ہے۔''

شان بے نیازی سے ہاتھ جھٹکا تو وہ فوراً (سلام' آداب بھول کے) باہر کو بھاگا۔

تالیہ واپس اپنا کام کرنے لگی۔ اسی اثناء میں سن باؤ اپنے کمرے سے نکلا اور اس کی طرف آیا۔ ادب سے سلام کیا۔

''معذرت' شہزادی۔ میں آپ کو تنہا چھوڑ کے کام کرنے چلا گیا۔ چند اہم خطوط شاہِ چین کی طرف ارسال کرنے تھے۔ اور ابھی ابھی قاصد نے اطلاع دی ہے کہ ملکہ نے مجھے بلوایا ہے۔''

''آپ آرام سے اپنے کام کیجئے' وانگ لی۔ میں یہ مجسمہ آپ کی طرف دیکھے بغیر بھی ختم کر سکتی ہوں۔ کل تک یہ تیار ہوگا۔'' وہ جھکی اور گارے کو ہاتھوں میں بھرے اٹھی۔ وانگ لی کی طرف پشت تھی۔ وانگ لی ممنونیت سے مسکرایا۔

''آپ کا شکریہ شہزادی۔ میری پرانی خواہش پوری کرنے کے لئے۔''

شہزادی نے جواب نہیں دیا۔ برآمدے کی طرف پشت کیے وہ مجسمے کے اوپر مٹی لیپتی رہی۔ کتنی دیر گزری اسے علم نہ ہو سکا۔ وانگ لی کام سے چلا گیا اور وہ مجسمہ بناتی رہی۔ آوازیں البتہ سنائی دی تھیں۔ کوئی باہر سے آیا تھا اور برآمدے کی طرف آنے کی بجائے راہداری سے سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔ زینے چڑھنے کی آواز آئی.....

پھر تالیہ کو محسوس ہوا کہ کوئی بالائی منزل کے کمرے کی کھڑکی میں آ کھڑا ہوا ہے۔

کوئی ہیولہ سا.... جیسے کوئی دراز قد' توانا مرد ہو.... اور وہ نیچے دیکھ رہا ہو....

جہاں صحن کے کونے میں وہ کھڑی تھی.... مخملیں چغہ پہنے.... جو شاہزادیاں سفر میں پہنا کرتی تھیں.... اس کی کھڑکی کی طرف پشت تھی.... بالوں پہ ریشمی اوڑھنی لے رکھی تھی اور سر پہ جمے تاج کی پشت دکھائی دے رہی تھی....

چغے کے آستینوں سے نکلتی سپید بانہوں میں سونے اور ہیرے کے کنگن تھے....

خوبصورت ہاتھوں میں زمرد اور یاقوت جڑی انگوٹھیاں تھیں....

اور وہ ہاتھ مہارت سے مٹی اور گارے سے چبوترے پہ مجسمہ بنا رہے تھے....

شاہزادی.... مجسمہ بناتے ہوئے بار بار رکتی تھی۔

گردن ذرا سی موڑتی تھی....

شکل ابھی بھی دکھائی نہیں دیتی.... بس ماتھے کے اوپر تاج کا کونہ کنپٹی سے جھلکتا تھا....

بار بار گردن موڑنے کی خواہش کے باوجود وہ واپس چہرہ پھیر جاتی تھی....

جیسے واقف تھی کہ اوپر کھڑکی میں کوئی اسے دیکھ رہا ہے....

پھر دفعتاً وہ سر جھکا کے ہلکا سا ہنسی.... اور گردن موڑی....

بالائی منزل کی کھڑکی میں کھڑا مرد تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چہرہ تکان سے لبریز تھا اور بال الجھے بکھرے سے تھے۔

اسے خود کو دیکھتے پا کے وہ مسکرایا اور پھر واپس پلٹ گیا۔ زینے اترنے کی آواز آئی۔

تالیہ پلٹ کے اپنا کام کرنے لگ گئی۔

دفعتاً اپنے عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑکا مگر اطمینان سے مسکراتے ہوئے مجسمہ بناتی رہی۔

''شہزادی!'' ادب سے کہا گیا تو وہ اس نے بے نیازی سے چہرہ موڑا۔ ''توانکو!''

وہ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے خوشگوار حیرت سے مجسمے کے قریب آیا اور چاروں طرف سے اسے گھوم پھر کے دیکھا۔

''میں پچھلے دن سے جیا میں تھا۔ وانگ لی نے گھر آنے سے منع کر رکھا تھا۔ یقیناً تم نے منع کیا ہوگا۔'' وہ ستائش سے مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔ ''پہلے تو کہہ رہی تھیں کہ مجسمہ بنانے نہیں آؤ گی۔''

''میں صرف یہ کہہ رہی تھی کہ بالائی منزل کے مکین سے ملنے نہیں آؤں گی۔''

''تو میری بیوی درست تھی۔ شہزادی تاشہ یہاں صرف وانگ لی کی دوستی میں آتی تھی۔'' وہ گردن جھکا کے مجسمے کا جائزہ لے رہا تھا۔

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ایک دم سرخ اینٹوں والے صحن میں کوئی عجیب مردنی سی چھانے لگی تھی۔

''آپ کی بیوی درست ہے۔''ایک چور نظر مجسمے تلے زمین پہ ڈالی جواب برابر کردی گئی تھی اور جس کے اندر بہت کچھ مدفن تھا۔

''اور آپ کو مجھے میرا مقام یاد دلانے کے لئے عصرہ بیگم کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں نے وہ فیصلہ صرف آپ کے اوپر بھروسہ کر کے لیا تھا۔'' آواز میں درشتی گھل گئی۔

''ٹھیک کیا تھا۔'' وہ ابھی تک مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔انداز بے نیاز سا تھا۔اس کے لئے صرف آزادی اہم تھی۔کوئی رشتہ' کسی کے احساسات' اس سب کے نتائج' سب ثانوی تھا۔

''اگر آپ نے میرے کام کو سراہ لیا ہو تو پلیز ہٹ جایئے۔مجھے میرا کام کرنے دیں۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بولی تو فاتح نے بس مسکرا کے اسے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔تالیہ کی طرف پشت ہوئی تو اس کی گردن کا نشان اس کی نظروں میں چبھا۔

تالیہ کا سانس تھم گیا۔''تو انکو۔آپ نے وہ غازہ اتار دیا؟''

اس نے مڑ کے تالیہ کو دیکھا اور کندھے اچکائے۔''تمہیں لگتا ہے وان فاتح کسی سے ڈرتا ہے؟'' مسکرا کے سر جھٹکا اور برآمدے کی جانب چلا گیا۔وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔

ان کے درمیان کچھ بھی نہ بدلا تھا اور جیسے سب بدل گیا تھا۔

''میں اگلے تین دن مجسمہ بنانے کے لئے روز آؤں گی۔کوشش کیجئے گا کہ آپ وہ وقت جیا میں ہی گزاریں' تاکہ میں آرام سے اپنا کام کرسکوں۔'' قدرے خفگی سے اسے پکارا مگر وہ اَن سنی کر کے اندر جاچکا تھا۔

''ہونہہ۔گستاخ۔'' وہ سر جھٹک کے واپس مجسمے کی طرف متوجہ ہوئی۔

☆......☆......☆

یہ تیسرے روز کی بات ہے جب وہ سن باؤ کے گھر سے تھکی ہاری واپس اپنے محل آئی اور اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو ایڈم بن محمد بے چین سا وہاں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔میز پہ چند کاغذ رکھے تھے۔اسے دیکھ کے فوراً سے اٹھا۔

''مجسمہ مکمل ہوگیا؟''

''اپنے سارے رازوں کے ساتھ وہ مکمل ہوگیا۔'' وہ مسکراتے ہوئے اندر آئی۔دروازے بند کردیے اور ایک قندیل بجھا دی۔روشنی ہلکی ہوگئی۔اور کمرے کا ماحول پراسراریت میں ڈوب سا گیا۔

''تھک گئیں کیا؟'' وہ جو کچھ اور کہنے لگا تھا' اس کا تکان زدہ چہرہ دیکھ کے بات روک لی۔

وہ سنگھار میز تک آئی اور ننھے صندوق سے خوشبودار گیلا رومال نکالا' پھر اس سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولی۔''میں نے ان معمولی

چیزوں میں سے کوئی بھی چیز چرائی نہیں تھی' ایڈم۔ میں نے وہ خود حاصل کی تھی۔ جائز طریقے سے۔ سوائے شریفہ کے خطوط کے۔ ان کے لئے بھی آج ایک بھاری رقم اسے ادا کر دی ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ میں ان خطوط کو چھ سو سال بعد بیچنا چاہتی ہوں مگر وہ خوش ہے۔ اور میں بھی خوش ہوں کیونکہ یہ خزانہ جو ہمیں بہت امیر کرے گا' میری جائز کمائی کا ہوگا۔'' پھر رومال رکھا اور مسکرا کے سنگھار میز کے کنارے پہ ٹک گئی۔ ایڈم واپس بیٹھا اور کاغذ سامنے پھیلائے۔

''تین چاند والا جزیرہ ملاکہ سے مغرب کی سمت ڈیڑھ دن کی مسافت پہ ہے۔ ہمیں جلد از جلد وہاں جانا ہوگا۔ کچھ نقشے اس کتاب میں تھے' اور کچھ میں نے شہر کے کتب خانوں سے اکٹھے کیے ہیں۔'' پھر وہ جوش سے کاغذ پہ مختلف مقامات پہ انگلی رکھ کے اسے راستہ سمجھانے لگا۔ دفعتاً اسے ایک خیال آیا۔ ''مگر آپ کیسے جا سکیں گی؟ کم از کم تین دن تو آنے جانے میں لگ جائیں گے۔''

''اس کی فکر مت کرو۔ شہزادیاں رواج کے مطابق شادی سے قبل چند دن شاہی آداب کی تربیت حاصل کرنے جنوبی محل کی طرف چلی جاتی ہیں۔ راجہ مراد نے مجھے بھی وہاں جانے کو کہا ہے۔ انکار کروں گی تو راجہ کو شک ہوگا۔ یوں کرتی ہوں کل وہیں چلی جاتی ہوں۔ تم میرے ساتھ آنا۔ وہاں سے ہم سمندری سفر پہ نکل جائیں گے۔''

ایڈم کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ ''اگر ہم ملاکہ کے لوگوں کی لوٹی دولت واپس لا سکیں تو ملاکہ کو چین سے قرضہ لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم تاریخ رقم کرنے جا رہے ہیں چے تالیہ۔'' وہ بہت خوش لگ رہا تھا۔ تالیہ بھی مسکرا دی۔

''تم تیاری کرو۔ ہم علی الصبح روانہ ہوں گے۔'' وہ پرعزم تھی۔ ایک تھکا دینے والے دن کے بعد ایک مشکل صبح کا آغاز ہونے والا تھا۔

اپنے کمرے میں کرسی میز پہ براجمان مراد راجہ لکڑی کی ننھی کشتی میں کیل ٹھونکتا دکھائی دے رہا تھا۔ میز پہ چند آلات اور لکڑی کے باریک ٹکڑے بکھرے پڑے تھے اور وہ مہارت سے اپنا کام کیے جا رہا تھا۔ سامنے ہاتھ باندھے مودب سا عارف کھڑا اگلے حکم کا منتظر تھا۔

''شہزادی تاشہ جلد جنوبی محل روانہ ہو جائے گی۔'' وہ نظریں کشتی پہ جمائے سرد آواز میں بولا۔ ''اس کے جاتے ہی تم وانگ لی کے اس غلام کو گرفتار کر کے یہاں لے آؤ گے جس کے گردن پہ تمہارے آدمی کو چند دن پہلے وہ نشان نظر آیا تھا۔ ابھی تک میں صرف شہزادی کی وجہ سے خاموش تھا۔ اس کے جاتے ہی یہ کام ہو جانا چاہیے۔''

''جو حکم' عالی جاہ!'' عارف نے فوراً سے سر جھکایا۔ مراد راجہ اب مہارت سے کشتی کے اوپر ننھا سا بادبان لگا رہا تھا۔

کھڑکی کے باہر گہری مہیب رات اتر رہی تھی۔ خاموشی سے۔ چپ چاپ۔



اس صبح سرخ حویلی کے صحن میں وہ مجسمہ اپنے پورے قد سے کھڑا تھا۔ کنویں سے پانی کا ڈول نکالتے وقت وان فاتح نے گردن موڑ کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔ عجیب لڑکی تھی۔ کبھی کہتی تھی مجسمہ نہیں بنائے گی اور اب.... چند دن میں یہ اونچا سا بت تراش کے چلی گئی۔

اسے صنم تراشی، پینٹنگز اور ایسی چیزوں میں کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی مگر یہ مجسمہ.... وہ اس کو ہمیشہ وہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی زندگی کا ایک حصہ اس مجسمے کو دیکھتے گزرا تھا۔

پانی کا ڈول اس نے برآمدے میں رکھا ہی تھا کہ دروازہ بج اٹھا۔ دستک ایسی گرج دار اور خوفناک تھی کہ وہ چونکا۔ پھر تیزی سے راہداری میں آیا اور دروازہ کھولا۔

سامنے اسلحے سے لیس شاہی سپاہی کھڑے تھے۔ ان کی تلواریں میان سے باہر تھیں۔

''فاتح بن رامزل... تمہیں بنداہارا مرادراجہ کے حکم پہ گرفتار کیا جاتا ہے۔'' ایک نے گرج دار آواز میں حکم سنایا، باقی دو اس پہ جھپٹے اور اسے بازوؤں سے پکڑ کے گھٹنوں کے بل زمین پہ بٹھایا۔ سختی سے اس کے ہاتھ کمر پہ باندھے اور رسی سے باندھے۔

شورسن کے وانگ لی بستر سے نکل کے فوراً باہر آیا تھا۔

''اس کو کیوں لے جارہے ہو؟ کیا قصور ہے اس کا؟'' وہ چلایا تھا۔

گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھے فاتح نے چہرہ اٹھایا اور ایک نظر وانگ لی کو دیکھا۔ ''آپ آرام فرمائیے، مالک۔ مجھے اپنے سارے قصور معلوم ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ جانے دیجئے۔'' وہ ضبط اور سکون سے نظر آرہا تھا۔ انہوں نے اس کے کندھوں پہ زور دے کے اسے گھٹنوں کے بل بٹھا رکھا تھا۔ ایک آدمی اس کے ہاتھوں کو رسی میں جکڑے جارہا تھا۔

''مگر....'' وانگ لی نے پریشانی سے ان سپاہیوں کی فوج کو دیکھا اور پھر سیاہ گھوڑا گاڑیوں کو جو سامنے کھڑی تھیں۔ قیدی کو لے جانے کے لئے تیار!

''مالک!'' اس نے مسکرا کے وانگ لی کو مخاطب کیا۔ سپاہیوں نے اسے جبراً اٹھایا اور گاڑی کی طرف لے جانے لگے۔

''جب میں نے کہا تھا کہ میں بادشاہوں اور رئیسوں کے ساتھ بھی گھوما ہوں اور محلوں میں بھی رہا ہوں تو میں نے درست کہا تھا۔ وان فاتح نہ کسی سے متاثر ہوتا ہے، نہ کسی بنداہارا سے ملنے سے ڈرتا ہے۔ آپ فکر مت کیجئے۔ مرادراجہ کو ابھی معلوم نہیں ہے کہ یہ ملاقات میری مرضی اور خواہش سے ہورہی ہے۔''

وہ اسے گاڑی کی طرف لے جارہے تھے اور وہ ان کے ساتھ چلتا، گردن موڑے اپنے مالک کو مسکرا کے تسلی دے رہا تھا۔ فربہ چینی سفارتکار بس سر پہ ہاتھ رکھے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

اس کا غلام آج اسے پہلی دفعہ 'آزاد' لگا تھا۔

☆......☆......☆

سنہری دھوپ نیلے سمندر کی سطح پہ چمک رہی تھی۔ تاحدِ نگاہ پانی پھیلا تھا جو پرسکون اور شانت تھا، اور بڑے وقار سے اپنے سینے پہ

ایک وسیع و عریض کشتی کو اٹھائے ہوئے تھا۔

کشتی کا بادبان ہوا سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ وہ کوئی عام کشتی نہ تھی۔ خوب اونچی اور چوڑی کشتی جس کے تہہ خانے میں کمرے بنے تھے اور وہاں شریفہ سامان جوڑتی دکھائی دے رہی تھی۔

زینے چڑھ کے اوپر آؤ تو کشتی کا یہ کھلا سا عرشہ تھا جس کے دونوں کونوں میں تیر کمان اور اسلحے سے لیس سپاہی چوکنے کھڑے سمندر کو نگاہوں میں رکھے ہوئے تھے۔ ابھی پانی میں کوئی ہلچل مچے تو ان کے تیر مدافعت کے لئے تیار تھے۔

عرشے کے وسط میں لکڑی کے پھٹے لگے تھے۔ تالیہ وہاں بیٹھی تھی۔ اس نے شہزادیوں کے لباس سے برعکس سیاہ پاجامہ قمیض پہن رکھی تھی۔ اس کے اوپر سیاہ چغہ تھا جو ہوا سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ سرد ہوا سے چغے کی ٹوپی بار بار پیچھے گر جاتی اور کانوں پہ ہوا لگنے لگتی۔

''یہ تمام سپاہی آپ کے اعتبار کے ہیں نا؟'' ایڈم سامنے والے پھٹے پہ بیٹھتے ہوئے بولا تو وہ جو دور تک پھیلے سمندر کو دیکھ رہی تھی، چونک کے گردن موڑی۔

ایڈم کافی آرام دہ نظر آ رہا تھا۔ کرتے پاجامے کے اوپر سیاہ چغہ پہنے اس نے سردی سے بچنے کو مفلر بھی کانوں کے گرد لپٹا تھا۔

''ہاں.... میں نے ان کی وفاداری فی الحال تو خریدی ہوئی ہے۔ اور ہم ان کے بغیر سفر نہیں کر سکتے تھے۔ مراد راجہ نے اس جزیرے پہ اپنا سونا یوں تو نہیں چھوڑا ہوگا۔ پوری فوج تعینات کر رکھی ہوگی۔ ہمیں ان کے مقابلے کے لئے ان سب کی ضرورت ہے۔'' پھر اس نے کھوجتی نگاہوں سے سمندر کو دیکھا۔

''کتنا فاصلہ رہ گیا ہے؟''

''بس اب ہم قریب ہیں۔'' ایڈم نے افق کو دیکھتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا تو وہ بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔

''یہ کہاں سے سیکھا تم نے؟''

''کیا؟''

''یہ نقشے پڑھنا.... سمندر میں راستے تلاش کرنا....''

''آپ بھول رہی ہیں، میں فوج میں تھا اور وہاں یہ سب سکھاتے ہیں۔''

وہ جواب میں کچھ تیکھا کہنے لگی مگر پھر ارادہ بدل دیا اور دوستانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

''تم واپس جا کے کیا کرو گے؟''

ایڈم دھیما سا مسکرایا۔ ''آپ کو واپس جانے کا جتنا یقین ہے اتنا مجھے نہیں ہے، چے تالیہ۔ لیکن اگر میں واپس گیا تو...'' اس نے سوچنے والے انداز میں سانس اندر کھینچی۔ ''تو میں کسی سیکیورٹی کمپنی میں اپلائی کروں گا اور کہیں گارڈ بھرتی ہو جاؤں گا۔ اس سے بہتر جاب

مجھے نہیں ملے گی کیونکہ نہ میری تعلیم ہے نہ تجربہ۔"

"تجربہ تو یہاں تم نے بہت حاصل کیا ہے۔"

"مگر یہ تجربہ وہاں میرے کس کام آئے گا؟ وہ دوسری دنیا ہے' چے تالیہ۔" اس نے یاد دلایا۔ پھر قدرے ٹھہر کے بولا۔ "اور آپ؟ آپ کیا کریں گی؟"

"میں!" وہ پرجوش انداز میں مسکرائی۔ "میں سب سے پہلے اس خزانے کو کھود کے نکالوں گی' پھر تھوڑا سا بیچوں گی اور ایک گھر خریدوں گی۔"

"جزیرے پہ محل؟ جو آپ کا خواب تھا؟"

تالیہ کا منہ بن گیا۔ "ہرگز نہیں۔ بہت دیکھ لئے جزیرے اور بہت دیکھ لئے محل۔ اب مجھے کسی پر رونق' ہجوم والی جگہ پہ گھر لینا ہے۔ جہاں مارکیٹ' ریسٹورانٹس اور ٹریفک کا شور ہنگامہ ہو۔"

"کے ایل کے بالکل وسط میں ایک علاقہ ہے جہاں...."

"کے ایل نہیں' ایڈم۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میں کہیں دور چلی جاؤں گی۔ کسی دوسرے ملک۔ اور نئی زندگی شروع کروں گی۔"

وہ بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔ "یعنی آپ یہ طے کر چکی ہیں کہ وان فاتح واپس جاتے ہی آپ کو چھوڑ دیں گے؟"

"انہوں نے مجھے اپنایا ہی کب ہے؟ اور ظاہر ہے وہ چھوڑ دیں گے۔ ویسے بھی میں اتنی باوقار ہوں کہ کسی کے بس نام کے سہارے پہ زندگی نہیں گزاروں گی۔" نخرے سے سر جھٹکا۔

"لیکن ہوسکتا ہے وہ آپ کو نہ چھوڑیں۔ ان کو آپ سے محبت ہو جائے۔ ساری تلخیاں' سارے خواب' سب بھول جائیں وہ اور ایک دنیا سے ٹکر لے کر آپ کو اپنا لیں۔"

"میں چور تھی' جھوٹی تھی' لوگوں کو لوٹتی تھی مگر گھر توڑنے والوں میں سے نہیں تھی' ایڈم۔ میں ان کے بیوی بچوں کی زندگی کبھی خراب نہیں کروں گی۔" اسے جیسے اس بات پہ دکھ ہوا تھا۔ "اور یہ شادی.... یہ میری مرضی سے نہیں ہوئی۔ یہ ان کی ایماء پہ ہوئی ہے۔ داتن ہوتی تو کتنا ہنستی۔" بڑے دن بعد آج وہ یاد آئی تھی۔ مگر پھر اس نے یاد کو جھٹک دیا۔

"اچھا۔ ٹھیک۔ فرض کیا انہوں نے آپ کو جاتے ساتھ ہی تنسیخ نکاح کے کاغذات پکڑا دیے ہیں' اس کے بعد کیا کریں گی آپ؟"

لہروں کے شور کو سنتے چند لمحے کے لیے دونوں خاموش ہو گئے۔

"تعلیم تو میری بھی خاص نہیں ہے مگر تجربہ بہت ہے۔ میں پینٹ کروں گی اور آرٹ ورکس بناؤں گی۔ اس خزانے سے امیر بھی ہو جاؤں گی' دنیا گھوموں گی' نئے دوست بناؤں گی۔"

''اور پرانے دوستوں سے بہت دور جانا چاہتی ہیں آپ!'' وہ اداسی سے مسکرایا۔

''پرانے دوست بھی تو اپنی زندگیوں میں مگن ہو جائیں گے۔تم سیکیورٹی گارڈ بن جاؤ گے' میں آرٹسٹ اور وان فاتح....''

''وہ تو وزیرِاعظم بنیں گے۔'' دونوں ایک ساتھ بولے اور پھر ہنس دیے۔ نیلا سمندر بھی ان کے ساتھ ہنسا تھا۔

''کیا آپ ملاکہ کو مِس کریں گی' چے تالیہ؟'' تھوڑی دیر بعد وہ سمندر کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ہزاروں طرف گویا نیلی چادر سی بچھی تھی جس پہ وہ تیر رہے تھے۔

''یہاں ہے ہی کیا جسے میں مِس کروں گی؟''

''یہاں ہے ہی کیا؟ محترمہ! یہاں آپ شہزادی ہیں' حکم چلاتی ہیں' بے پناہ طاقت کی مالک ہیں۔اور وہاں آپ لوگوں کی جیبیں کاٹتی پھرتی تھیں۔روپ دھار دھار کے نوکریاں کرتی تھیں۔''

تالیہ نے برہمی سے اسے دیکھا۔''زیادہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ میری خوش اخلاقی ایکسپائر ہو جائے گی۔''

ایڈم کے چہرے کے زاویے فوراً سیدھے ہوئے۔تالیہ تفاخر سے مسکرائی' مگر بجائے تعظیم پیش کرنے کے وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔تالیہ نے چونک کے گردن موڑی۔

سامنے سبز سی لکیر دکھائی دے رہی تھی۔دور کوئی جزیرہ سا تھا۔

''یہی ہے....یہی ہے تین چاند والا جزیرہ۔'' وہ جوش سے کھڑا سپاہیوں کو ہدایت دینے لگا۔''کشتی کو اس طرف لے جاؤ۔''

وہ بے چینی سے اٹھی اور آسمان کو دیکھا۔''شام ڈھلنے کے قریب ہے۔ہمیں چاند نکلنے کے وقت تک اس جگہ پہ پہنچ جانا چاہیے۔'' پھر چغہ سنبھالتی آگے بڑھی اور سپاہیوں کے سر پہ جا رکی۔

''جزیرے پہ کچھ ضرور ہمارا منتظر ہوگا۔'' وہ بلند آواز میں بولی اور سب رک کے اسے سننے لگے۔

''سپاہی' فوج' مقامی لوگ۔کچھ بھی ہو سکتا ہے۔مگر تم لوگ....تم پوری جانفشانی سے لڑو گے...یاد رکھو' ہم نے زندہ واپس جانا ہے وہ سب لے کر جس کے لئے ہم آئے ہیں۔واپس پہنچ کے نہ صرف میں تم میں سے ہر ایک کو انعام واکرام سے نوازوں گی بلکہ تمہیں آزاد بھی کر دوں گی۔'' وہ پورے قد سے کھڑی ان سے مخاطب تھی۔ہوا سے چغہ پھڑ پھڑا رہا تھا۔اور ٹوپی پیچھے کو ڈھلک گئی تھی۔

''لیکن اس سے پہلے....تم لوگوں کو لڑنا ہوگا....اس جزیرے اور اس کے آسیبوں سے....تمہیں لڑنا ہوگا...اپنی شہزادی کے لئے لڑو گے نا؟''

''آپ ہمیں ہر امتحان میں پورا پائیں گی' شہزادی۔'' ایک سپاہی جوش سے بولا تو وہ مسکرائی اور گردن موڑ کے ایڈم کو دیکھا۔

''سارے خزانے' ساری جابز' تعلیم' ایوارڈز' انسان جو کچھ بھی حاصل کر لے' ہر چیز ایک طرف....اور'' طاقت اور حاکمیت'' ایک

طرف ہے' ایڈم۔ ہاں' شاید اس چیز کو میں مس کروں گی!''

ایڈم بس مسکرا دیا۔

وہ دونوں اب ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ کشتی تیزی سے تیرتی ہوئی جزیرے کے قریب جا رہی تھی۔ تالیہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہاں کیا ان کا منتظر ہوگا؟

کوئی آسیب....کوئی فوج؟

☆......☆......☆

سلطنت محل پہ شام اترتی دکھائی دے رہی تھی اور اونچی دیواروں پہ لگی قندیلیں جلنے لگی تھیں۔ غلام اور کنیزیں نظم و ضبط سے سارے کام نپٹاتے پھر رہے تھے۔ ایسے میں محل کی ایک اونچی بالکونی میں ملکہ یان سوفو کھڑی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' وہ تاج اور زیورات سے لدی پھدی' مسکرا کے نیچے دیکھ رہی تھی۔ بڑے دن بعد وہ اتنی پرسکون نظر آتی تھی۔

''اتنے پریشان کیوں ہو' وانگ لی؟'' اس کا مخاطب چینی سفارتکار عقب میں کھڑا تھا۔ چہرہ بے چین اور اداس لگتا تھا۔

''ملکہ عالیہ....مراد راجہ نے میرے غلام کو گرفتار کرلیا ہے۔ مجھے یہ سوچ کے خوف آ رہا ہے کہ اب کیا ہوگا؟''

''خوف کی بات نہیں ہے' وانگ لی۔'' وہ پرسکون سی دور نیچے پھیلے باغات کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''جلد یا بدیر یہ تو ہونا تھا۔ بنداہارا اس کو قید کر کے اس کے ساتھ جو بھی سلوک کرے' وہ دکھ کی بات ہو سکتی ہے' مگر خوف کی نہیں۔''

''مراد راجہ کو اس نکاح کا علم ہو گیا تو.....؟''

''علم تو ہونا ہی تھا۔ مگر میرا نام نہیں آئے گا اور تم سفارتکار ہو' تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔''

''اور فاتح؟ اور شہزادی تاشہ؟''

''یہ اب ان کا مسئلہ ہے۔ بھلے مراد اپنی بیٹی کو گلے سے لگائے یا گستاخ غلام کی گردن اتار دے' ہر صورت میں سلطان تک خبر پہنچ جائے گی کہ شہزادی تاشہ کسی کی منکوحہ ہے۔ میرا مسئلہ یہیں تک تھا' وہ ختم ہو جائے گا۔'' وہ ہولے ہولے اپنے کان سے لٹکتے بندے پہ انگلی پھیر رہی تھی۔

''واقعی...ہمارا مسئلہ تو ہر حال میں ختم ہو جائے گا۔'' وانگ لی نے گہری سانس بھری۔ پھر جیسے اسے ملال ہو۔ ''مگر مجھے فاتح کے لئے دکھ ہو رہا ہے' ملکہ۔ اس کی پیشانی روشن تھی۔ وہ قید خانے کا ایندھن نہیں بن سکتا۔''

''میں نے کہا نا' خوف کی بات نہیں ہے' دکھ کی ہے۔ جب میں نے سنا تھا کہ چین کے پہاڑوں پہ ایک سرخ دھاریوں والے نایاب پرندے کی نسل ختم ہو رہی ہے تو مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔ میں تب چھ برس کی تھی۔ مجھ سے کتنے دن کھانا نہیں کھایا گیا۔ میرا دل دکھ گیا تھا۔

مگر...." چہرہ وانگ لی کی طرف پھیرا۔ کھلے دل سے مسکرائی۔ "دل کی یہی تو اچھی بات ہے اس کے دکھ درد تھوڑے عرصے بعد بھول جاتے ہیں۔ بس تاج سلامت رہے' دل میں بہت جگہ ہے' وانگ لی۔"

"بجا فرمایا' ملکہ!" اس سے اتفاق کرنا لازم تھا۔ سو تائیدی انداز میں وانگ لی نے سر کو خم دیا۔ وہ واپس نیچے باغات کو دیکھنے لگی۔ لالی لگے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

☆......☆......☆

مراد راجہ کے دربار کے دروازے بند تھے اور وہاں مسلح پہریدار کھڑے تھے۔ سامنے سے دو سپاہی فاتح کو اپنے آگے چلاتے لاتے دکھائی دیے اس حال میں کہ اس کی ہتھکڑیوں سے بندھی زنجیر پیروں کے گرد لپٹی تھی۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور آنکھوں میں کوئی خوف نہ تھا۔ بس نظریں گھما کے درودیوار کا جائزہ لیتے قدم اٹھا رہا تھا۔

ایک سپاہی نے بازو سے جبراً دھکیلنا چاہا' تو فاتح رک گیا اور ایک ٹھنڈی نظر اس پہ ڈالی۔

"میں خود چل سکتا ہوں' مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔" کوئی رعب تھا یا کیا' سپاہی نے اس کی کہنی چھوڑ دی۔

وہ گردن اٹھائے' سیدھ میں دیکھتے آگے بڑھتا گیا۔ زنجیریں تھامے سپاہی اس کے ہمراہ چپ چاپ چلتے آئے۔

پہریداروں نے دربار کا دروازہ کھولا تو فاتح نے سامنے دیکھا۔

طویل سا دربار تھا.... درمیان میں لمبا سرخ قالین بچھا تھا جو آخر میں چبوترے تک جاتا تھا۔ چبوترے کے اوپر تخت رکھا تھا جس پہ (فاتح کی نظریں اس کے پیروں سے ہوتیں چہرے تک اٹھ گئیں) مراد راجہ براجمان تھا۔

شاہی قبا دائیں بائیں پھیلا رکھی تھی' ایک ہاتھ گھٹنے پہ رکھا تھا اور دوسرا شاہانہ انداز میں پہلو میں پڑا تھا۔ ماتھے پہ سرخ پٹی بندھی تھی اور لمبے سیاہ بال کندھوں کو چھو رہے تھے۔ اپنی عقابی چمکدار آنکھیں وہ قیدی پہ جمائے ہوئے تھا جو سفید کرتے پاجامے میں ملبوس' زنجیروں میں بندھا سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ قدرے بڑھی ہوئی شیو' چھوٹے بال (جو ملاکہ میں غیر معمولی لگتے تھے کیونکہ مردوں اور عورتوں سب کے بال لمبے ہوتے تھے۔) اور چھوٹی آنکھیں جو مراد پہ جمی تھیں۔

وہ پہلی نظر میں ہی مقامی باشندہ نہیں لگتا تھا۔

"سامنے آؤ۔" مراد نے دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ آواز کھردری اور رعب دار تھی۔

فاتح سرخ قالین پہ ننگے پاؤں آگے چلتا آیا۔ سپاہی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ چبوترے کے عین سامنے آ رکا۔

"تو تم فاتح ہو!"

"اور تم مراد ہو۔ مراد راجہ!" وہ اسی کے انداز میں بولا تو چبوترے کے نیچے دربان کی طرح کھڑے عارف نے گھر کا۔

"تم اس وقت ملاکہ سلطنت کے بنداہارا مراد راجہ کے دربار میں کھڑے ہو۔ادب سے بات کرو۔"

"ہمارے زمانے میں ادب اتنا ہی ہوتا ہے بس۔ان لمبے لمبے القابات' خطابات سے نہیں پکارتے لوگوں کو بھلے وہ ملک کے سربراہ ہی کیوں نہ ہوں۔صرف ان کا نام لینا کافی ہوتا ہے۔" پھر نظریں گھما کے عارف کو دیکھا۔

"مگر خیر' تم ہمارے زمانے سے واقف نہیں ہو گے۔وہ تمہارے ملاکہ سے بہت مختلف ہے۔اور....."

"تم لوگ باہر جاؤ۔" عارف نے تیزی سے سپاہیوں کو مخاطب کیا۔وہ فوراً باہر نکل گئے۔

فاتح نے ہلکا سا مسکرا کے مراد کو دیکھا جو تخت پہ بیٹھا ہنوز اسے گھور رہا تھا۔

"تو صرف تمہارا یہ دربان تمہارے "شکار بازی" کے رازوں سے واقف ہے۔اچھی بات ہے۔کوئی رازدان ہونا چاہیے' ورنہ سب سے زیادہ تنہائی تخت پہ بیٹھنے والے کے مقدر میں ہوتی ہے' راجہ!"

"اور تم کیا جانتے ہو تخت پہ بیٹھنے والوں کے بارے میں؟" مراد اس پر سے ایک لمحے کو بھی نگاہ نہیں ہٹا رہا تھا۔عجیب بے خوف سا آدمی تھا۔

"میں اپنے ملک میں ایسے ہی لوگوں میں سے تھا۔کیا تالیہ نے نہیں بتایا؟" وہ ذرا سا مسکرا کے بولا۔"میں...اپنے ملک کا....بنداہارا بننے والا تھا' مراد راجہ!"

"تاشہ سے کیا تعلق ہے تمہارا؟" مراد نے اگلا سوال داغا۔

"تالیہ کی میری بیوی سے شناسائی تھی' اس نے میری بیوی کی تصویر بنانی شروع کی تو ہمارے گھر اس کا آنا جانا ہوا۔بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک خزانے کی کھوج میں ہے۔اس خزانے کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس نے وقت کا دروازہ پار کیا اور میں صرف اس کو روکتے روکتے ساتھ آ گیا۔"

"اور تم اسے کیوں روکنا چاہتے تھے۔"

"کیا تالیہ نے تمہیں نہیں بتایا مراد' کہ وہ اس دنیا میں کیا تھی؟"

"کیا تھی؟"

فاتح ہلکا سا مسکرایا۔وہ نیچے کھڑا تھا اور مراد اوپر بیٹھا تھا مگر دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے پہ جمی تھیں۔

"وہ ایک چور تھی۔بہروپ بدل بدل کے لوگوں کو لوٹنے والی۔اسے قائل کرنے کا فن آتا تھا۔وہ لوگوں سے اپنے مطلب نکلوا لیتی تھی۔اور اسے مال وزر سے بہت محبت تھی۔اب بھی ہے۔لیکن اس سفر نے اسے بدل دیا ہے۔وہ واپس جانا چاہتی ہے کیونکہ اسے خود کو بدلنا ہے۔"

''ہونہہ۔'' مراد تمسخر سے مسکرایا۔ ''انسان اپنی فطرت نہیں بدل سکتا' غلام فاتح! اور وہ واپس نہیں جانا چاہتی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں' اس کی سلطان مرسل شاہ سے شادی ہو رہی ہے۔''

''تمہاری دنیا میں کی گئی شادی کی ہماری دنیا میں کوئی اہمیت نہیں ہوگی' مراد راجہ۔ تمہیں مجھے اور تالیہ کو واپس بھیجنا ہوگا۔''

''میں تمہارے قہوہ خانے کے لوگوں جیسا نہیں ہوں جو تمہاری تقریر سے متاثر ہو جاؤں گا۔ ویسے کیوں کرتے ہو تم وہاں تقریریں؟''

''یہ فطرت ہے میری۔ انسانوں کو کسی جابر حکمران کا غلام بنے دیکھ نہیں سکتا۔ اور پھر تمہاری نظروں میں آنا چاہتا تھا۔ کافی دیر لگی تمہیں میری گردن کی مہر سے مجھے پہچانتے پہچانتے۔ تمہیں کیا لگتا ہے مراد راجہ؟ یہ ملاقات تمہاری خواہش سے ہو رہی ہے؟ اونہوں۔ تمہاری بیٹی نے مجھے ایک کام سکھا دیا ہے۔ چال ایسے چلنی چاہیے کہ دوسرے کو لگے یہ اس کا اپنا منصوبہ تھا۔''

''اور میرا منصوبہ یہ ہے کہ تم اب کبھی دوبارہ سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکو گے۔''

''تم اپنے ہاتھوں سے ہمیں چابی دو گے' مراد راجہ۔ تم نہیں جانتے' مگر میں جانتا ہوں۔ تمہارے پاس میری بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔''

''تم کہہ رہے ہو کہ تم مستقبل سے واقف ہو؟''

''میں ماضی سے واقف ہوں' راجہ!'' وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔ زنجیروں میں جکڑے ہونے کے باوجود اس کا انداز ٹھنڈا اور شانت تھا۔

''میں نے تمہاری بات سن لی' فاتح۔ اب میری بات غور سے سنو۔'' مراد کہنی گھٹنے پہ رکھے آگے کو جھکا۔ ''تم بند اہار رہو گے اپنے ملک کے۔ یہاں تم صرف ایک غلام ہو اور جلد ایک بھولی بسری داستان بن جاؤ گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا کھیل کھیل رہے ہو' مگر میں تمہیں اپنی بیٹی یا اس کی زندگی کے قریب بھی برداشت نہیں کروں گا۔ تم اب قید میں رہو گے' اور تمہیں دوبارہ تب بلایا جائے گا جب مجھے لگے گا کہ تم میرے کسی کام آ سکتے ہو۔ اس لئے....'' عارف کو اشارہ کیا۔ ''اسے لے جاؤ۔''

''جانتے ہو میری سب سے بڑی طاقت کیا ہے' مراد راجہ؟'' عارف سپاہیوں کو آواز دینے لگا تھا کہ وہ بولا۔ ''میں سچ بولتا ہوں' اور تمہارے ساتھ بھی میں نے صرف سچ بولا ہے۔ مجھے قید کیوں کر رہے ہو؟ میں نے تمہارے ساتھ کیا برا کیا ہے؟''

''تم وانگ لی کے غلام ہو اور وہ ملکہ کا آدمی ہے۔ وہ دونوں بھی جلد نیست و نابود ہو جائیں گے' اس لئے تم.....''

''ملکہ آج سے بتیس سال بعد مرے گی۔ وہ بھی سرخ پھوڑے نکلنے سے۔''

الفاظ تھے کہ کیا' راجہ مراد سن ہو گیا۔ عارف اپنی جگہ پہ ٹھہر گیا۔

زنجیروں میں جکڑا قیدی گردن اٹھائے عام سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''ملک بدر ہونے کے بعد ملکہ گمنامی کی زندگی اختیار کر لے

گی اور کئی سال ایسے ہی گزار دے گی۔ پھر آج سے بتیس سال بعد چین کے ایک پرانے محل میں اسے موت آئے گی۔"

"ملک بدر؟" عارف بڑبڑایا۔" وہ ملک بدر کیوں ہو گی؟"

"جب مرسل شاہ کے خلاف گزشتہ سلطان کے بیٹے بغاوت کر دیں گے اور تھوڑے ہی عرصے بعد اس کا تخت الٹ دیں گے تو وہ ملک بدر کر دی جائے گی۔ مرسل کا الم ناک انجام ہو گا۔ منصور شاہ اگلا حکمران بن جائے گا۔ اور پدو کا راجہ (تن پیراک) اس کا بندا ہارا ہو گا۔ اگلے پچاس سال سے زیادہ پدو کا راجہ ملا کہ سلطنت کا بندا ہارا رہے گا۔ اس دوران دو یا تین سلاطین بدل جائیں گے مگر بندا ہارا ایک ہی رہے گا۔ یان سوفو کا باپ اگلے دس سال حکومت کرے گا' اور پھر اپنے چھوٹے بیٹے کو شاہ چین نامزد کر کے مر جائے گا۔"

"اور اس کا بڑا بیٹا؟" عارف فوراً بولا۔ مراد پتھر ہوا سن رہا تھا۔

"اس کا بڑا بیٹا تو اب تک مر چکا ہو گا۔ اس مہینے کی چار تاریخ کو اس نے طاعون سے مر جانا تھا۔"

"نہیں۔" مراد چونکا۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو' وہ پچھلے ماہ ملا کہ آیا تھا' بھلا چنگا تھا۔ اور دس دن پہلے اس کا خط بھی آیا تھا۔ تم میرے دماغ سے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو' فاتح! مگر میں....."

"راجہ..... راجہ!" عارف کھنکھارا تو مراد نے چونک کے اسے دیکھا۔

"ابھی ایک گھڑی قبل چین سے خط موصول ہوا تھا۔ گزشتہ ہفتے ملکہ یان سوفو کا بھائی واقعی طاعون سے مر گیا ہے۔ سب سے پہلے میرے آدمی نے خبر دی ہے۔ ملکہ کو خود ابھی خبر نہیں ملی۔ میں آپ کو غلام سے ملنے کے بعد بتانا چاہتا تھا۔" عارف نے آہستہ سے بتایا۔

مراد کی رنگت سفید پڑنے لگی۔ اس نے بے یقینی سے قیدی کو دیکھا جو اسی طرح کھڑا تھا۔ عام سا انداز۔ بے نیازی سی بے نیازی۔

مراد اپنی جگہ سے اٹھا اور زینے اتر کے نیچے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟"

"تاریخ کی کتابوں میں' میں نے تمہاری ساری داستانیں پڑھ رکھی ہیں' مراد راجہ! کیا تم جاننا چاہتے ہو کہ تمہارا انجام کیسا ہو گا؟"

وہ الفاظ روح کھینچ لینے والے تھے۔ سانس روک دینے والے تھے۔ جیتے جی مار دینے والے تھے۔

"مراد راجہ..... کیا تم جاننا چاہتے ہو کہ تمہیں کس زمین پہ موت آئے گی؟"

مراد پلک جھپکے بنا اسے دیکھتا رہا تھا۔ فاتح نے چند لمحے کا انتظار کیا' پھر لب کھولے۔

"ایک دن آئے گا مراد' جب تم ملا کہ کے شہر کے چوک میں....."

"بس!" وہ دھاڑا۔ "بس! میں نہیں جاننا چاہتا کہ میرا کیا ہو گا۔ میں اپنی موت کے بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہتا۔"

سارے سائے جو اس کے چہرے پہ آئے تھے' وہ اب گزر چکے تھے۔ مراد سنبھل گیا تھا اور اس کے چہرے کی سختی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''درست فرمایا' راجہ۔ کوئی انسان نہیں جاننا چاہتا کہ وہ کون سی زمین پہ مرے گا۔ میں خود بھی نہیں۔'' پھر عارف کی طرف دیکھا۔
''میں واپس قید میں جانے کے لئے تیار ہوں۔ جلد تم لوگوں کو میری ضرورت پڑے گی۔ تب مجھے باہر لے آنا۔''
وہ اپنے تئیں ملاقات ختم کر چکا تھا۔ مڑنے ہی لگا تھا کہ مراد پکار اٹھا۔
''اور تاشہ.... میری بیٹی.... اس کا کیا ہوگا؟'' اس کی آواز میں کچھ تھا جو فاتح مڑتے مڑتے رکا اور اس کی طرف گھوما۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
''میری ایک بیٹی تھی' مراد' جو پہاڑوں میں کھوگئی تھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں ایسا سوال پوچھنا چاہیے۔''
''مجھے بتاؤ۔ میری بیٹی کا کیا ہوگا؟'' وہ مضطرب ہوگیا تھا۔
وان فاتح نے گہری سانس لی۔ اور جب بولا تو اس کی آواز مغموم تھی۔
''شہزادی تاشہ تاریخ کا ایک خوبصورت اور مضبوط کردار تھی جس کی داستان بہت مختصر تھی۔ اس نے کچھ اچھے کام کیے تھے جس کے باعث اس کو اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے۔ مگر آخر میں..... (وہ ٹھہرا....) آخر میں اس کا انجام بھی افسوس ناک ہوا تھا۔''
''کیا؟ کیا ہوا تھا اس کے ساتھ؟ کیا لکھا ہے تمہاری کتابوں میں؟'' وہ بے چین سا ہوا۔ ''مجھے بتاؤ تاکہ میں اس کو ہونے سے روک سکوں۔''
''وہ ایک سمندری سفر پہ گئی تھی جس سے وہ لوٹ کے نہیں آئی تھی۔ اگر تم اس کا بچانا چاہتے ہو تو اسے کسی سمندری سفر پہ نہ بھیجنا۔''
مراد کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔



نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول حالم ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔

گیارہواں باب:

وقت کے اس پار

اس نے خواب میں دیکھا...
گھنٹی کی تیز آواز سے اس کی آنکھ کھلتی ہے...
وہ ہڑبڑا کے لحاف پھینکتی ہے... پھر بستر سے پیر نیچے اتارتی ہے...
اور چپل پیروں میں ڈالے باہر کو لپکتی ہے....
اب وہ تیز تیز زینے پھلانگ رہی ہے... دل زور زور سے دھڑک رہا ہے....
وہ دروازہ کھول کے باہر ڈرائیووے پہ آتی ہے...
سامنے گیٹ کے پار کوئی کھڑا ہے.... اس کے ہاتھ میں ایک ٹوکری ہے...
اس کے قدم سست پڑ جاتے ہیں... وہ گیٹ تک آتی ہے.... جنگلے کے اوپر سے ہاتھ بڑھاتی ہے... آدمی اس کو ٹوکری پکڑاتا ہے...
وہ وہیں نیچے زمین پہ بیٹھتی جاتی ہے... ٹوکری اس کے ہاتھ میں ہے..... اور چہرہ شکست خوردہ سا لگتا ہے.....
اب وہ ٹوکری میں موجود اشیاء پہ ہاتھ پھیر رہی ہے.... ان کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرا رہی ہے..... تیز مانوس خوشبو.....
اور اس کی آنکھیں بھیگی جا رہی ہیں.....
ٹوکری میں رکھی چیزیں دھندلی نظر آ رہی ہیں...
اور..... خواب ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے....

☆......☆......☆

سرد ہوا کے زوردار جھونکے نے اس کے سر سے چغے کی ٹوپی گرا دی۔
تالیہ مراد چونک کے اٹھی۔
وہ سوئی نہیں تھی۔ بس کشتی کے کونے میں بیٹھے بیٹھے گھٹنوں پہ چہرہ ٹکا کے آنکھیں موندی ہی تھیں کہ یہ خواب دکھائی دیا۔ اب آنکھ کھلی تو دیکھا... کشتی پانی پہ تیرتی آگے بڑھ رہی تھی اور جزیرہ قریب آتا دکھائی دے رہا تھا۔

''کوئی برا خواب دیکھا ہے کیا؟'' ایڈم ہاتھوں پہ رسی لپیٹتے ہوئے قریب آیا تو اس نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔ چغے میں ملبوس وہ رسی اٹھائے مصروف دکھائی دیتا تھا۔

''اچھے برے کا معلوم نہیں۔ مگر ہاں.... خواب ہی دیکھا ہے۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''کیا دیکھا آپ نے؟'' وہ اس کے قریب آرکا۔ ساتھ ساتھ رسی بھی لپیٹ رہا تھا۔

''میں نے خود کو اپنے کے ایل والے گھر میں دیکھا۔ گھنٹی بجتی ہے۔ ایسی گھنٹی جس کا مجھے انتظار تھا جیسے۔ کوئی عادت ہو جیسے۔ میں بھاگ کے دروازہ کھولتی ہوں تو مجھے کوئی شخص ایک ٹوکری دیتا ہے.... جیسے تحفہ ہو.... مگر میں....'' وہ کہتے کہتے رک گئی جیسے خود میں ہی الجھ گئی ہو۔

''تحفہ ملنے پہ یوں غمگین کون ہوتا ہے ایڈم؟''

''جو خزانے ڈھونڈنے کے لئے جاتا ہے اور وقت کے اس پار کھو جاتا ہے.... شاید وہ!'' اداسی سے مسکراتے ہوئے ایڈم نے رسی کا گچھا دور ایک سپاہی کی طرف اچھالا جس نے فوراً سے اسے تھام لیا۔ دوسرے سپاہی اور خادم بھی لنگر انداز ہونے کی تیاریوں میں لگے تھے۔

''مگر اس ٹوکری میں کیا تھا؟'' اس نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔ ''میں اس چیز کی خوشبو پہچانتی ہوں۔ ایسے جیسے.... جیسے رسیلا چاکلیٹ ہو....'' پھر اس نے گہری سانس لی اور کھڑی ہوئی۔

''خیر.... ایک بات تو طے ہے کہ ہم اس زمانے کی قید سے جلد نکل جائیں گے۔''

''ہم یا صرف آپ؟''

تالیہ نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں لگتا ہے میں تم دونوں کو چھوڑ کے جا سکتی ہوں۔''

''جی بالکل مجھے ایسا لگتا ہے۔ کیونکہ.... آپ کو بیس فیصد خزانہ بھی مجھ سے بانٹنا برا لگ رہا ہو گا اندر ہی اندر۔''

''ہاں لگ تو رہا ہے۔ بیس فیصد جتنا کام تو تم نے کیا نہیں ہے۔ ہونہہ۔'' بالوں کو بے نیازی سے پیچھے جھٹکا اور عرشے پہ آگے کو بڑھ گئی۔ جزیرہ جیسے جیسے قریب آ رہا تھا.... سورج اسی رفتار سے ڈھلنے کی تیاری میں تھا۔

ایڈم نے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھتے گہری سانس بھری۔

چے تالیہ جل بھی جائیں تو ان کے بل نہیں جائیں گے' یہ تو طے تھا۔

☆......☆......☆

بنداہارا کے دربار میں کھڑا اوان فاتح کہہ رہا تھا۔

''وہ ایک سمندری سفر پہ گئی تھی جس سے وہ لوٹ کے نہیں آئی تھی۔ اگر تم اس کو بچانا چاہتے ہو تو اسے کسی سمندری سفر پہ نہ بھیجنا۔''

مراد راجہ کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا۔

''بس یہی یا کچھ اور بھی جاننا چاہتے ہو تم' راجہ؟'' بے تاثر سے انداز میں اس نے بات جاری رکھی۔

مراد کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھرتی دکھائی دی۔ مگر چہرے کے تاثرات اس نے بہت ضبط سے ہموار رکھے۔

''مجھے تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں ہے۔ جاؤ اور میرے قید خانے میں اپنی باقی ماندہ زندگی گزارو'' قدرے غصے اور حقارت سے ہاتھ جھلا کے بولا تو فاتح ہلکا سا مسکرایا۔

''بہت جلد تم اتنے مجبور ہو جاؤ گے مراد راجہ کہ تم مجھے خود یہاں واپس بلاؤ گے اور اس کرسی (تخت کے ساتھ والی کرسی کی جانب اشارہ کیا) پہ بٹھا کے میرے ساتھ مذاکرات کرو گے۔''

مراد نے جواب نہیں دیا۔ ہاتھ دوبارہ جھلایا اور رخ موڑ لیا۔ سپاہی تیزی سے وارد ہوئے اور اسے بازوؤں سے پکڑا۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ بس ایک نظر راجہ پہ ڈالی جو کمر پہ ہاتھ باندھے رخ موڑ گیا تھا' اور پلٹ گیا۔

''عارف!'' اس کے جانے کے بعد مراد قدرے بے چینی سے عارف کی طرف گھوما جو فکر مند سا وہیں کھڑا تھا۔ پیشانی شکن آلود تھی اور آنکھوں میں پریشانی تھی۔

''کیا تمہیں اس آدمی کی باتوں پہ یقین ہے؟'' عارف نے ایک نظر بند دروازے پہ ڈالی جہاں سے فاتح ابھی گیا تھا۔

''اس کی پیشانی کشادہ اور آنکھیں روشن ہیں۔ ایسے چہرے جھوٹوں کے نہیں ہوتے۔''

''پھر تم ابھی اسی وقت جنوبی محل کی طرف روانہ ہو جاؤ اور شہزادی کو بحفاظت واپس لے آؤ۔ ابھی' عارف!'' آخر میں اس کی مضطرب آواز بلند ہوئی تو عارف نے جھٹ سر جھکا دیا۔

''جو حکم راجہ!'' اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

مراد اب مارے اضطراب کے دربار میں دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ وہ اندر تک ہل کے رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

شام ڈھل گئی تو بندا ہارا محل کے درودیوار نے سرگوشیوں میں ایک دوسرے کو تہہ خانے کا احوال سنایا۔ کھڑکیاں احتجاجاً ذرا کھڑکیں اور دروازوں نے اپنے پٹ جھلائے مگر اونچے ستون بے حسی سے قید خانے کا منظر نامہ سنتے رہے۔

وہ جیل نیچے تہہ خانے میں بنی تھی۔ اندھیر کال کوٹھڑیوں کی قطار جن کے دروازے آہنی اور سلاخ دار تھے۔ ایسی ہی ایک کوٹھڑی کے اندر زمین پہ فاتح بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ کھلے تھے مگر دائیں پیر سے بندھی زنجیر کے سرے پہ بڑا سا لوہے کا وزن بندھا تھا جس کے باعث وہ چند قدم سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا۔ مگر اس نے کھڑے ہونے کی کوشش بھی نہیں کی۔ بس کونے میں اکڑوں بیٹھا دیوار کو دیکھتا رہا۔ دیوار پہ لگے گارے اور اینٹوں کی خراشوں میں وہ ناخن سے لکیریں کھینچ کے حساب کتاب کر رہا تھا۔

”کیا سوچ رہے ہیں آپ؟“ آریانہ دوسرے کونے میں چپکے سے آن بیٹھی تھی۔ فاتح نے نظریں اس کی طرف اٹھائیں۔

وہ سفید ہیئر بینڈ میں بال جکڑے آلتی پالتی کیے بیٹھی اس کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

”کتنے گھنٹے بیت چکے‘ یہ حساب کر رہا ہوں۔ تمہارے باپ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ اور میرے حساب کے مطابق وہ ٹھیک جا رہا ہے۔“ وہ دوبارہ ناخن سے لکیر کھینچنے لگا۔

”آپ کو ڈر نہیں لگ رہا؟“

”مجھے ڈرنا نہیں‘ محض انتظار کرنا ہے۔ وقت کے اس پار جانے کا انتظار!“

”اور اس کے بعد؟ واپس جا کے آپ تالیہ کے ساتھ کیا کریں گے؟“

”وہی جو میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ میں اس کو آزاد کر دوں گا۔ وہ اپنی زندگی گزارے‘ خوش رہے‘ میں اپنی زندگی گزاروں گا۔“ اس نے ہلکے سے کندھے اچکائے اور ایک لکیر کھینچی۔ ناخن کی سوکھے گارے سے رگڑے جانے کی ناقابل برداشت آواز سنائی دی۔

”اور اگر کسی موقعے پہ آپ کو ”واپسی“ یا ”تالیہ مراد“ میں سے کسی ایک کو چننا پڑے تو کیا کریں گے؟“

وہ چونکا۔ ”تمہیں ایسا خیال کیوں آیا؟“ بے حد حیرت سے اس نے کونے میں بیٹھی آریانہ کو دیکھا۔ جواب میں وہ استہزائیہ مسکرائی۔

”مجھے؟ مگر میں تو کوئی نہیں ہوں‘ ڈیڈ۔ میں آپ کا Subconcious mind ہوں جو آپ سے پوچھ رہا ہے کہ اگر چناؤ کا موقع آیا تو کیا کریں گے آپ؟“

اس نے جواب نہیں دیا۔ بس گردن موڑ کے دیوار پہ لگی لکیروں کو دیکھنے لگا۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے اور آنکھوں میں بے چینی در آئی تھی۔

ذہن میں ایک دم آوازوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔

(ایک وقت آئے گا جب آپ مجھے کہیں گے کہ آپ کو میری ضرورت ہے وان فاتح۔ کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔) تالیہ ہنسی تھی۔

(یہ ایک بے وفا آدمی ہے جس کو وعدے نبھانے نہیں آتے۔) ملکہ کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

(میں وان فاتح ہوں اور مجھے کبھی کسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔) وہ ایک زمانے میں کبھی یہ بولا تھا۔

(وان فاتح کو صرف وان فاتح سے محبت ہے!) عصرہ بے رحم ہوئی تھی۔

آوازیں.... یادیں.... سب دیوار پہ لگی لکیروں سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ سر جھٹک کے اپنی توجہ منصوبے پہ مرکوز کرنے لگا۔

☆......☆......☆

تین چاند والے جزیرے پہ سورج ڈوب رہا تھا۔

جوان سمندر لہریں بار بار ساحل تک لاتا اور پھر واپس لے جاتا۔ کشتی ساحل پہ لنگر انداز ہو چکی تھی اور سپاہیوں کا گروہ ریت پہ اترا کھڑا تھا۔ دائرے کی صورت وہ تالیہ اور ایڈم کے گرد کھڑے تھے۔ مورخ خاموش تھا۔ جبکہ چغہ پوش شہزادی ان کو ہدایات دے رہی تھی۔

''سب ٹولیوں کی صورت جزیرے میں پھیل جاؤ' مگر ساحل کی پٹی کے ساتھ ساتھ۔ اندر کی طرف جنگل شروع ہو جاتا ہے۔ ہم نے رات میں جنگل کے اندر نہیں جانا۔ صرف ساحل کی پٹی کے ساتھ جزیرے کو چاروں اطراف سے لپیٹنا ہے۔ کوئی بھی غیر معمولی چیز نظر آئے تو ایسی صورت میں....'' اس نے ایک ترکش سامنے کیا جو تیروں سے بھرا تھا۔ ''یہ آتش باز تیر ہیں اور تم سب کے پاس یہ موجود ہیں۔ اس کو سلگا کے ہوا میں چھوڑ دو گے تو یہ فضا میں پھٹ جائے گا اور روشنی دیکھ کے باقی سب تمہاری طرف بھاگے آئیں گے۔''

''جو حکم شہزادی!'' سپاہی سر ہلا رہے تھے۔

''آپ میرے ساتھ رہیے گا۔'' وہ سب بکھر گئے تو ایڈم نے محافظانہ انداز میں کہا۔

''اوہ۔ اتنے بڑے ہو گئے ہو اور اندھیرے سے ڈرتے ہو؟ چچ چچ!'' تالیہ نے سادگی سے پلکیں جھپکائیں۔

ایڈم کی پیشانی پہ بل پڑے۔ ''میں آپ کے لئے کہہ رہا تھا۔''

''میرے لیے؟'' وہ ہنسی۔ ''میں تاشہ پسونا ہوں' میں کسی سے نہیں ڈرتی۔'' پھر بالوں کو جھٹکا' چغے کی ٹوپی برابر کی اور ایک طرف کو مڑی تو ایڈم بولا۔ ''ابھی تک نہ میں نے بنگارایا ملایو میں آپ کو ''ساحرہ'' کا لقب دیا ہے' نہ ہی ملاکہ میں کوئی آپ کو اس نام سے پکارتا ہے۔''

''شاید وہ وقت ابھی آنا ہے جب میں پسونا بنوں گی۔ تم جلنا چھوڑو۔ اور خزانے کو تلاش کرو۔'' گھمنڈی شہزادی اس کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ایک طرف کو چل دی۔ ایڈم ضبط کے گھونٹ بھرتا رہ گیا۔

سورج ڈوب گیا اور جزیرے پہ اندھیرا چھا گیا۔ ایسے میں پورا چاند آسمان پہ چمکنے لگا۔

جزیرہ بالکل خاموش تھا۔ کسی فوج' کسی مخلوق کی چاپ تک نہ سنائی دیتی تھی۔ کیا واقعی خزانہ اسی جزیرے پہ تھا؟ یا ان کے سارے حساب کتاب غلط تھے؟

وہ ٹھنڈی ریت پہ قدم بہ قدم چل رہی تھی۔ چوکنی نظریں چاروں طرف لگی تھیں۔ جزیرہ بالکل خاموش اور ساکن تھا۔ سوائے ساحل کی لہروں کے شور کے کوئی آواز....

اور ایک دم آواز سنائی دی۔ غراتی ہوئی آواز۔

وہ سناٹے میں رہ گئی۔

پس ثابت ہوا کہ جزیرہ زندہ تھا۔ ملاکہ کے اس قدیم جنگل کی طرح جس میں وہ چار دن تک پھنسے رہے تھے۔

تالیہ محتاط انداز میں آواز کی سمت چلنے لگی۔ آواز کسی جانور کی معلوم ہوتی تھی۔ جیسے کوئی مخلوق ڈکار رہی ہو...

جوتے میں کوئی سوراخ ہو گیا تھا جو ریت پیروں میں گھس رہی تھی۔ یوں لگتا تھا وہ ٹھنڈی ریت پہ ننگے پیر چل رہی ہے۔

ننھی ننھی چیزیں پیروں میں چبھ رہی تھیں مگر وہ چبھن سے بے پرواہ قدم اٹھاتی رہی۔ چغے کی ٹوپی نے اس کے سر کو ڈھانپ رکھا تھا مگر ہوا کے باعث وہ پشت سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔

دفعتاً ایک مقام پہ وہ ٹھہری۔ سامنے آسمان پہ مکھن کی ٹکیا جیسا چاند چمک رہا تھا۔

اس نے نظریں دائیں طرف موڑیں۔ وہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جس کی چوٹی خوب روشن تھی۔ جیسے شیشے کی بنی ہو...

اس چوٹی کے چمکتے شیشے میں ایک دوسرا چاند نظر آ رہا تھا....

وہ ایک دم گھومی۔

ہوا سے چغے کی ٹوپی پیچھے کو ڈھلک گئی۔ مگر اس کی سیاہ آنکھیں سامنے جم گئیں....

وہاں سیاہ کانچ جیسے سمندر کا پانی بہہ رہا تھا اور ایک چاند پانی کی سطح پہ چمک رہا تھا....

''جہاں ملتے ہیں تین چاند۔''

وہ چونک کے بڑبڑائی.... پھر اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے...

''یہاں.... ہاں' یہاں ملتے ہیں تین چاند!۔''

پہاڑی کی چوٹی شیشے یا کانچ کی بنی لگتی تھی۔ چاند آسمان پہ چمک رہا تھا مگر اس کا عکس سمندر کے پانی اور چوٹی دونوں میں دکھائی دے رہا تھا۔

''تین چاند۔'' اس نے گہری سانس لی۔ تو یہ تھے تین چاند۔ انہی کے آس پاس آواز آئی تھی۔

''بچے تالیہ۔'' ایڈم نے قریب میں سرگوشی کی تو وہ چونکی۔ وہ پیچھے سے تیز تیز آ رہا تھا' تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''سنو.. تم باڈی مین ہو گے وان فاتح کے... میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔'' ایڈم نے جواب نہیں دیا۔ ایک دم ترکش سے تیر نکالا اور تالیہ کی طرف کمان تان کے تیر چلا دیا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ تیر زن سے اس کے پاس سے ہوا میں تیرتا پیچھے کو گیا۔ تالیہ گھومی۔

پہاڑی کے قدموں میں ایک آدمی کھڑا تھا اور وہ تالیہ کی طرف تلوار تانے بھاگا آ رہا تھا۔ تیر اس کے ہاتھ پہ لگا تو تلوار چھوٹ گئی۔ وہ کراہ کے نیچے گرا۔ تالیہ نے جھٹ اپنا تیر کمان اس پہ تان لیا۔

''آپ اپنی حفاظت خود کرنا جانتی ہیں شہزادی' ہے نا۔'' طنز سے کہتا ایڈم قریب آیا۔ تالیہ نے بس تھوک نگلا۔ نظریں اس آدمی پہ جمائے رکھیں۔

اس کی تلوار دور جا گری تھی۔تلوار اٹھانے کی بجائے وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا' اور پیچھے ہٹنے لگا۔ہاتھ سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا۔

''رک جاؤ ورنہ اگلا تیر تمہارے سر کے آر پار ہوگا۔'' وہ تیر سے اس کا نشانہ لیے غرائی تو آدمی ٹھہر گیا۔تالیہ نے اس کے آس پاس نظر دوڑائی۔

''تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ بولو۔کہاں ہیں مراد راجہ کے دوسرے آدمی۔''

وہ خستہ حال حلیے والا جنگلی سا آدمی لگتا تھا۔جواب دینے کی بجائے دائیں طرف دیکھنے لگا۔ہونٹ سلے رہے۔

''میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔''

مگر وہ مسلسل دائیں طرف دیکھ رہا تھا جیسے کسی کا منتظر ہو۔

''کہیں اس کے ساتھی حملہ ہی نہ کر دیں۔ہمیں سپاہیوں کی ضرورت ہے۔''

ایڈم نے فکرمندی سے کہتے آتش بھرے تیر کو سلگایا اور زور سے اوپر فضا میں چھوڑا۔تیر اوپر جا کے پھٹ گیا۔ہر سو آتش بازی کی صورت روشنیاں بکھر گئیں اور پھر اندھیرا چھا گیا۔مگر ذرا سی روشنی میں تالیہ کو اس آدمی کے دائیں طرف کوئی حرکت دکھائی دی تھی۔

کوئی رینگتی ہوئی شے۔جو اس طرف بڑھ رہی تھی۔

تیر کمان تانے تالیہ کی نظریں اس طرف اٹھیں۔چاندنی میں اب واضح دکھائی دینے لگا تھا۔

زمین پہ کوئی چیز رینگ رہی تھی۔چھپکلی کی شکل کا مگرمچھ۔لیکن عام مگرمچھ سے دوگنا۔

''کموڈو ڈریگن ہے یہ تو۔'' تالیہ چونکی۔''تو راجہ نے اپنے خزانے کی حفاظت کے لئے کموڈو ڈریگن پال رکھا ہے اور اس کا خیال یہ شکار باز رکھتا ہے۔یعنی.....''

''یعنی اس آدمی کا کوئی ساتھی ادھر تعینات نہیں ہے۔یہ ایک ڈریگن کافی ہے۔''

ڈریگن زمین پہ رینگتا آہستہ آہستہ اس آدمی کے سامنے آرکا۔اس کا بھاری پیٹ نیچے رگڑ تا ریت پہ نشان لگاتا جا رہا تھا۔سامنے آ کے اس نے منہ کھولا اور غرایا۔ایڈم اور تالیہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''اب کیا کریں؟'' وہ ذرا فکرمند ہوئی۔ڈریگن ایک ہی نوالے میں سالم بندہ نگلنے کی صلاحیت رکھتا تھا' اور یہ آج کے ملائیشاء کے ڈریگن سے دوگنا تھا' یہ تو ایک ہی سانس میں ان دونوں ہضم کر جاتا۔

''ایسا کرو تم اس آدمی پہ تیر چلاؤ' اور میں ڈریگن کا نشانہ باندھتی ہوں۔ان دونوں کو مار کے ہی ہم اس پہاڑی تک جا سکتے ہیں۔یہ اگر اس پہاڑی کی حفاظت کر رہے ہیں تو خزانہ ادھر ہی ہے۔''

''مگر ہم کموڈو ڈریگن کو نہیں مارتے۔'' ایڈم ایک دم بولا۔

''اف ایڈم.....''اس نے دانت پیسے۔''یہ ہمیں کھا جائے گا۔''

مگر ایڈم نے کمان نیچے کردی۔''ہم سانپ کو بھی نہیں مارتے۔ان کو ان کے علاقوں میں چھوڑ دیتے ہیں۔میں نے وائلڈ لائف پارک میں ایک بچی کی جان بچائی تھی کموڈو ڈریگن سے....لیکن میں نے اس کو نہیں مارا تھا۔نہیں چے تالیہ....ہم جانوروں کو مارنے والے لوگ نہیں ہیں۔'' اس کے اندر کا اورنگ اصلی جاگ گیا تھا۔تالیہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''تو تم کموڈو ڈریگن سے پہلے مقابلہ کر چکے ہو؟''اس نے اپنا تیر کمان نیچے کرلیا۔

''میں ایک بچی کی جان اس سے بچا چکا ہوں لیکن سرکاری اعزاز دیتے وقت مجھے بھلا دیا گیا تھا۔''

''مگر تم تو اس واقع کو نہیں بھولے نا۔ ہوسکتا ہے اُس دنیا کے واقعات اِس دنیا کی تیاری کے لیے ہوں۔ جاؤ اور ہمیں اس ڈریگن سے نجات دلا کے دو۔'' شہزادی نے کمان بلند کر کے اس طرف اشارہ کیا جہاں ڈریگن تھا۔

شہزادی کے حکم پہ ایڈم نے بے اختیار تھوک نگلا۔ چند فٹ کے فاصلے پہ ڈریگن کھڑا غرا رہا تھا اور شکار باز اس کی اوٹ میں کھڑا اپنے زخم کو دوسرے ہاتھ سے دبائے ہوئے تھا۔خون دھاروں کی صورت بہہ رہا تھا مگر اس کی بے تاثر آنکھیں ایڈم پہ جمی تھیں۔عجیب پتھریلا چہرہ تھا اس کا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''ایڈم بھاری آواز میں استفسار کرتے ہوئے آگے بڑھا۔

پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز آرہی تھی۔ایک ایک کر کے سپاہی وہاں اکٹھے ہو رہے تھے۔تالیہ نے ان کو خاموشی سے اپنے عقب میں کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔انہوں نے اپنے کمان تانے وہیں جگہ سنبھال لی۔

''احمد....کمال....علی....ایسا ہی کوئی نام ہوگا تمہارا۔''ایڈم تبصرہ کرنے والے انداز میں ڈریگن کی سیدھ میں کئی فٹ کے فاصلے پہ ٹھہر گیا۔سنجیدہ نظریں اس شکار باز پہ جمی تھیں۔

''مفید۔''وہ ہلکا سا بولا۔''مفید نام ہے میرا اور تم نے اگر آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میرا دوست تمہیں نگل جائے گا۔''

''یعنی تم نے اس کی اچھی تربیت کی ہے'مفید۔''وہ اونچی آواز میں بولا۔''یہ جانور تمہارا پالتو ہے۔تمہارے اشارے کی تعمیل کرنا جانتا ہے۔''

''یہ سب کچھ کرنا جانتا ہے۔''

''سب کچھ کرنا تو تم بھی جانتے ہو'لیکن کیا یہ معلوم ہے کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟''

چاندنی میں ڈوبا خاموش جزیرہ....اور اس پہ ایڈم کی آواز....سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔تالیہ البتہ بے چینی سے بار بار ڈریگن کو دیکھتی تھی۔کمان تانے وہ ڈوری کو پیچھے کھینچے ہوئے تھی۔ادھر انگلی چھوڑی'ادھر تیر ڈریگن کی آنکھ میں جا لگے۔

''ہر انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو وہ کر رہا ہے' وہ اسے ''کیوں'' کر رہا ہے! تم بتاؤ۔تم اس بیابان جزیرے پہ ایک جانور کے ساتھ راجہ کے خزانے کی حفاظت کیوں کر رہے ہو۔''

''تم کچھ نہیں جانتے۔'' زخمی شکار باز غصے سے بولا۔''یہ چند مشکل دن ہم نے گزارنے ہیں' پھر ہمارے پاس اتنا خزانہ اکٹھا ہو جائے گا کہ ہم ساری دنیا پہ حکومت کریں گے۔'' اس کے لمبے بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔میلا کچیلا چہرہ' الجھی داڑھی...لہو ٹپکاتی آنکھیں...وہ ذہنی طور پہ تندرست نہیں لگتا تھا۔

''تو یہ وعدہ کیا ہے راجہ نے تم سے؟''

''مراد راجہ ہمارا سردار ہے اور یہ خزانہ....یہ صرف ہمارا ہے۔''

''میرے پیارے دوست!'' دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑے ایڈم نے افسوس سے گہری سانس لی۔''تم غالباً مراد راجہ کے تخت سنبھالنے کے دن سے یہیں ہو۔تم نہیں جانتے کہ ملاکہ میں کیا ہو رہا ہے۔بے وقوف انسان مراد راجہ اس وقت ملاکہ کا بے تاج سلطان 'بن' چکا ہے۔''

''نہیں۔ابھی سلطان مرسل زندہ ہے۔'' شکار باز فوراً سے غرایا۔''جب وہ مرے گا تو ہم حکومت کریں گے۔''

''تم کتنے بے وقوف ہو' مفید۔تم یہاں مراد راجہ کے خزانے کی حفاظت کر رہے ہو اس آس میں کہ مراد سلطان کو قتل کر کے تخت سنبھال لے گا؟ نادان انسان....وہ سلطان کو کبھی قتل نہیں کرے گا۔پوچھو کیوں۔''

''وہ سلطان کو قتل کر دے گا!'' وہ ہٹ دھرمی سے چلایا۔خون بہاتے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

''نہیں کرے گا۔کیونکہ وہ اپنی بیٹی شہزادی تاشہ کی شادی مرسل شاہ سے کر رہا ہے۔کیا اپنے داماد کو قتل کرے گا وہ؟''

''تم جھوٹ بول رہے ہو کیونکہ مراد راجہ کی کوئی بیٹی تاشہ نہیں ہے۔''

''میں ہوں۔مراد راجہ کی بڑی بیٹی! اور اللہ شاہد ہے کہ میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' تیر سے اس کا نشانہ باندھے وہ بلند آواز میں بولی تو مفید بے اختیار اس کو دیکھنے لگا۔''شاید تمہیں میرے بابا نے اپنے بارے میں ہر بات نہیں بتائی۔میں شہزادی تاشہ بنتِ مراد ہوں اور مجھے میرے بابا نے یہ خزانہ لینے اور تمہیں مارنے بھیجا ہے....لیکن میرا یہ جرنیل چاہتا ہے کہ تمہاری جان بخش دی جائے۔''

ایڈم نے گردن موڑ کے اسے گھورا۔(اپنی کہانیاں گھڑنے والی عادتوں سے آپ باز نہ آئیے گا۔)

''اب بتاؤ' مرنا چاہتے ہو یا قید ہونا چاہتے ہو۔''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔''تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو؟''

''مجھے بات کرنے دیں۔'' ایڈم ہلکے سے بولا پھر مفید کی طرف چہرہ موڑا''مفید' تم راجہ مراد کے وفادار ہو' مگر اپنے دل سے

پوچھو۔ راجہ تمہیں بھول چکا ہے۔ وہ وہاں عیش سے حکمرانی کر رہا ہے اور تم ادھر تنہا ہو۔ تمہارا دل اب راجہ سے محبت نہیں کرتا۔''

مفید لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔

''جانتے ہو تمہارا دل کس سے محبت کرتا ہے؟'' انگلی اٹھا کے اشارہ کیا۔ ''اس جاندار سے جس کے ساتھ تمہیں جنگل میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ جب ایسے کوئی کسی کو کسی کے ساتھ جنگل میں چھوڑ دے تو پیچھے ساری دنیا اجنبی ہو جاتی ہے۔ صرف وہ اندھیروں کا دوست رہ جاتا ہے۔ یہ تمہارا دوست، تمہارا ساتھی ہے۔ تمہیں اسی سے محبت ہے۔ اور جن سے محبت کی جاتی ہے، ان کو اپنی خواہشات کی رسی سے قید نہیں کیا جاتا۔ انہیں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ انہیں اپنی زندگی کھل کے جینے دی جاتی ہے اور دنیا کے جنگلوں میں اپنی مرضی سے بھٹکنے دیا جاتا ہے۔ اگر وہ لوٹ کے آجائیں تو ہم محبت میں سچے تھے۔ اگر نہ آئیں تو ہم صرف بدقسمت تھے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تم اس معصوم جانور کو آزاد کر دو۔''

مگر مفید نفی میں سر ہلاتا ان سب کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے جیسے تھک کے خون بہاتا ہاتھ پہلو میں گرا دیا۔ ''تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو۔''

''مراد راجہ وہاں عیش کر رہا ہے اور تم یہاں پاگل ہو رہے ہو۔ کب تک اس جانور کو اپنے ساتھ قید میں رکھو گے؟ کم از کم اس کو آزاد کر دو۔ اس کو کہو کہ واپس جنگل میں چلا جائے اور تم ہمارے ساتھ ملا کہ چلو۔ پھر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ مراد راجہ نے تمہیں کس کس طرح دھوکہ دیا ہے.... اور اگر تم نے یہ نہ کیا تو ہم سب تیر مار مار کے اس ڈریگن کی آنکھیں اور شریان پھوڑ دیں گے۔''

مفید نے ایک نظر اس ڈریگن کو دیکھا جو پنجوں کے بل کھڑا ان لوگوں پہ مسلسل غرا رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ اس نے سیٹی سی بجائی۔ انجان زبان میں چند آوازیں نکالیں۔ ڈریگن نے اس کی طرف گردن موڑی۔ مفید نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

سپاہیوں کے تیر کمان ابھی تک ہاتھوں میں تھے۔ خود تالیہ کا دل زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ تیر تیار تھا۔ ادھر ڈریگن حملہ کرتا، ادھر وہ اس کے اندر تیر اتار دیتی۔

مگر ڈریگن نے چند لمحے کے لئے مفید کی بات سنی، پھر واپس مڑا اور درختوں کی طرف جانے لگا۔ ایڈم نے گہرا سانس لیا۔ تالیہ کی بھی تیر کمان پہ گرفت ڈھیلی ہوئی۔

''تم نے اچھا فیصلہ کیا' مفید۔ اب ہمیں راستہ دکھاؤ۔ خزانہ کہاں ہے اور تم یقین رکھو واپس جا کے میں....''

''راجہ سے کہنا مجھے معاف کر دے، میں خزانے کی حفاظت نہیں کر سکا۔'' مفید نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے کہتے اپنے ہاتھ میں لگا تیر ایک دم کھینچ نکالا اور پھر.... اگلے ہی لمحے.... اسے اپنے سینے میں پیوست کر دیا۔ زور سے اس کی چیخ نکلی، اور وہ زمین پہ گر کے تڑپنے لگا۔

لمحے بھر کو وہ سب ششدر رہ گئے۔ پھر ایڈم بے اختیار اس کی طرف بھاگا۔

اور صرف ایڈم نہیں تھا جو اس کی طرف بھاگا تھا۔ جنگل کی طرف جاتا کموڈو ڈریگن بھی اپنے مالک کی چیخ سن کے تیزی سے واپس

لپکا تھا۔

اگلے ہی لمحے سپاہیوں کے تیر فضا میں بلند ہوئے اور ڈریگن کے جسم میں پیوست ہو گئے۔ تالیہ کا تیر اس کی آنکھ میں لگا۔ ڈریگن گھائل ہو کے زمین پہ لوٹنے لگا۔ اس کے حلق سے چیخیں نکلی تھیں۔

"اسے مت مارو....." ایڈم منت بھرے انداز میں چلایا۔ "خدارا اسے مت مارو۔"

تالیہ نے چغے کی ڈوری گردن تلے سے کھینچی۔ چغہ کندھوں سے ڈھلک کے زمین پہ جا گرا۔ پھر اس نے تیر کمان پرے پھینکا اور تلوار میان سے نکالی۔

جانور الٹا زمین پہ گرا تڑپ رہا تھا۔ تیر زہر میں بجھے تھے اور اثر دکھا رہے تھے۔ تالیہ تلوار لیے تیزی سے اس کے سر پہ آئی۔

"چے تالیہ.....اس کو مت ماریں.....یہ ایک معصوم جانور ہے....." ایڈم چلاتا ہوا اس کی طرف بڑھا' مگر تالیہ نے زور سے تلوار اس کی گردن پہ دے ماری۔

ڈریگن کے سر کے حصے میں بڑا سا کٹ پڑ گیا۔ اس کی تڑپ دم توڑ گئی۔ آنکھوں سے زندگی کی روشنی نکل گئی۔

ایڈم ساکت کھڑا رہ گیا۔

تالیہ اسی طرح آگے بڑھی اور زمین پہ گرے مفید کو گردن سے دبوچ کے اٹھایا۔ پھر اس کے سینے سے زور سے تیر باہر کھینچ نکالا۔ خون بُھل بُھل گرنے لگا۔

"جنگل میں رہتے ہوئے اتنے سے زخم سے مر نہیں جاؤ گے۔" اس کا چہرہ اپنے سامنے کیے وہ غرائی۔ وہ مسلسل کراہ رہا تھا۔ "ناٹک بند کرو۔ راجہ کے چوری کے مال کی حفاظت نے تمہیں یہ دن دکھایا ہے۔ اب سیدھی طرح مجھے خزانے کا راستہ دکھاؤ تاکہ تمہاری جان بخش دوں۔ ورنہ خدا کی قسم' تمہارے جسم میں اتنے گھاؤ لگاؤں گی کہ گھنٹوں تکلیف سے تڑپتے رہو گے۔" اس کی گردن کو جھٹکا دیا تو تکلیف سے بے حال شکار باز فوراً ایک طرف اشارہ کرنے لگا۔

"ادھر.....غار میں.....ہے خزانہ۔" سپاہی فوراً مشعلیں اٹھائے اس طرف لپکے۔

تالیہ اس کی گردن دبوچے آگے بڑھنے لگی' پھر رک کے مڑی اور ایڈم کو سنجیدگی سے دیکھا۔

"سارے بھاؤ تاؤ جنگ سے پہلے کے ہوتے ہیں۔ لیکن جب ایک دفعہ لڑائی شروع ہو جائے تو دشمن پہ ترس کھانا کمزوری ہوتی ہے' ایڈم' اور یہ اصول سارے زمانوں کے لئے ہے۔" اور اسے لئے آگے بڑھ گئی۔ ایڈم بس شل سا کھڑا رہ گیا تھا۔

سپاہی اب غار کی طرف بڑھ رہے تھے' اور سر کٹا کموڈو ڈریگن خون کے تالاب میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔

☆......☆......☆

سلطنت محل کی مخروطی چھتوں پہ اس رات بارش برس رہی تھی۔ اپنی خواب گاہ سے ملحقہ بالکونی میں سلطان مرسل شاہ کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے' شاہی قبا میں ملبوس' وہ نیچے دور تک پھیلے اندھیر سبزہ زار کو دیکھ رہا تھا۔ پانی چھت کے کناروں سے پھسلتا بالکونی کے ستونوں پہ لڑھک رہا تھا۔ موسم خاصا خوشگوار تھا۔

''آقا!''

ملکہ کی آمد کی منادی کے چند ثانیے بعد یان سوفو اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی تو مرسل چونکا۔ پھر اس کی طرف گھوما۔

''ملکہ۔ طبیعت کیسی ہے آپ کی؟ مجھے خبر ملی تھی کہ آج قدرے بیمار تھیں آپ۔''

''میرے بابا کی جان آپ نے بچالی' ان کی نظرِ بد کا علاج ہو گیا' اس سے زیادہ اور کیا چاہیے مجھے آقا؟'' اس نے مسکرا کے تعظیم پیش کی۔ پھر سیدھی ہوئی اور انہی مسکراتی آنکھوں سے سلطان کو دیکھا۔ ''آپ کو مجھ سے بات کرنی تھی؟''

وہ دونوں بالکونی میں آمنے سامنے کھڑے تھے' اردگرد بارش برس رہی تھی مگر وہ محفوظ تھے۔

''جی ہاں۔''

''حکم کیجئے' آقا!'' وہ اس کی آنکھوں پہ مسکراتی نظریں جمائے ہوئے تھی۔

''اب تک آپ کو اطلاع تو مل گئی ہوگی کہ میں شادی کرنے جا رہا ہوں۔ تیاری شروع ہو چکی ہے اور انتظامات کیے جا رہے ہیں۔''

یان سوفو کے چہرے پہ ایک دم ڈھیروں اداسی بکھر گئی۔ اس نے سر جھکا دیا۔ ''جی آقا۔ سنا تو تھا میں نے مگر یقین نہیں آیا تھا۔''

''آپ خفا ہوں گی' یقیناً۔'' مرسل شاہ احتیاط مگر پرسکون سا پوچھ رہا تھا۔

''یہ تو شہزادیوں کی قسمت ہوتی ہے آقا۔'' ملکہ نے تھکی تھکی سی پلکیں اٹھائیں۔ ''میرے بابا کے حرم میں تین بیویاں اور کئی خواتین تھیں۔ میں نے اپنی والدہ کی تکلیف دیکھی ہے۔ یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ فرق تو پڑتا ہے۔ دل دکھتا ہے' لیکن....'' وہ زخمی سا مسکرائی۔

''اگر آقا کی خوشی اسی میں ہے تو میں اعتراض نہیں کروں گی۔ میں اس تقریب میں شامل بھی ہوں گی اور کھلے دل سے آپ کی نئی منکوحہ کو خوش آمدید کہوں گی۔''

مرسل شاہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ پورے دل سے مسکرایا۔ ''مجھے آپ سے یہی امید تھی ملکہ۔ جو ہونا ہے وہ ہونا ہے۔ لیکن میں آپ کو اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ آپ ملاکہ سلطنت کی ملکہ ہیں' اور رہیں گی۔''

''سارے سلاطین دوسری شادی سے پہلے یہی کہتے ہیں' آقا۔'' وہ بجھے دل سے مسکرائی۔ پھر سر جھٹکا۔ ''خیر.... کیا کسی خاتون کا انتخاب کیا ہے آپ نے یا یہ کام بھی مجھے کرنا ہوگا؟'' (شاہی دستور کے مطابق بعض دفعہ ملکہ خود سلطان کی نئی منکوحہ یا خاتون چنتی تھی۔)

''کیا آپ کو نہیں معلوم۔'' سلطان حیران ہوا۔ ''میں نے شہزادی تاشہ کا انتخاب کیا ہے۔ مگر آپ کو کیسے معلوم ہوگا۔ یہ نام

میرے اور مراد راجہ کے درمیان ہی تھا اب تک۔"

"شہزادی تاشہ؟" ملکہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

بالکونی کے باہر زور کی بجلی کڑکی۔ پل بھر کو سارا محل روشن ہو گیا۔ جگہ جگہ زمین پہ پانی کھڑا نظر آتا تھا۔ اگلے ہی پل اندھیرا چھا گیا۔

"جی۔ مراد راجہ کی دختر۔"

"مگر...." ملکہ بے اختیار الجھن سے بولی۔ "شاہی دستور کے مطابق.... آپ کے نکاح میں آنے والی خاتون کا چند شرائط پہ اترنا ضروری ہے' آقا۔"

"تو شہزادی تاشہ کسی لحاظ سے کم نہیں ہیں۔ وہ ہمارے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں' ان کی رگوں میں ہمارا ہی خون ہے۔ پھر وہ خوبصورت ہیں اور شاہی آداب جانتی ہیں۔" مرسل شاہ نے سینہ کڑاتے ہوئے فخر سے کہا تھا۔

ملکہ چند لمحے سادگی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"تو پھر.... طلاق دلوائیں گے اسے یا اس کے شوہر کی گردن ماری جائے گی؟"

بادلوں کے گرجنے کی زوردار آواز سنائی دی۔ ایسی دہشت' ایسی گرج کہ محل کے ہر ذی نفس کی روح تک کانپ گئی۔

مرسل شاہ بھونچکا کھڑا رہ گیا۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ ملکہ؟" اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔ "دماغ درست ہے آپ کا؟"

"میرا دماغ تو درست ہے آقا لیکن آپ کی معلومات درست نہیں۔ شہزادی تاشہ نے خود مجھے راز میں لیتے ہوئے بتایا تھا کہ چین سے جو آدمی اس کے ساتھ آیا ہے' وہ اس سے شادی کر چکی ہے۔ کیا آپ کو مراد راجہ نے نہیں بتایا؟ حیرت ہے۔ وہ اپنی شادی شدہ بیٹی کو کنواری لڑکی کے طور پہ کیسے پیش کر سکتا ہے۔ چچ چچ۔ یہ تو سنگین جرم ہے۔ گناہِ کبیرہ ہے۔" وہ خود حیران تھی۔

"آپ کو...." مرسل کی آواز بلند اور آنکھیں سرخ ہوئیں۔ "غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ شہزادی تاشہ غیر شادی شدہ ہیں۔" اس کا تنفس تیز ہو گیا تھا۔

"آپ خود شہزادی سے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب پہ ہاتھ رکھوا کے پوچھ لیں۔ اگر اس نے اس شادی سے انکار کیا تو میری گردن مار دیجئے مگر آقا.... وہ لڑکی شادی شدہ ہے۔ اور اس کے شوہر کو مراد راجہ نے اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔ آپ کو جس سے شادی کرنی ہے' کیجئے آقا' لیکن بزرگوں کے رسم و رواج کو ٹھوکر مار کے نہیں۔ یہ آپ کی خاندانی غیرت اور حمیت کا سوال ہے۔" وہ اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹائے بغیر کہہ رہی تھی۔ مرسل کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا' ایک جا رہا تھا۔

"یہ جھوٹ ہے۔ میں نہیں مانتا۔" وہ ایک دم ملکہ کے ساتھ سے گزرتا آگے بڑھ گیا۔ ملکہ یان سوفو نے آرام سے اسے جاتے

ہوئے دیکھا اور زیرِ لب بڑبڑائی۔ چچ چچ۔ پھر افسوس سے سر جھٹکا۔

بالکونی کی مخروطی چھت کے کنارے ٹپکے جا رہے تھے۔ بارش میں تیزی آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

جس غار کی حفاظت کموڈو ڈریگن کر رہا تھا' اس کا راستہ تنگ اور تاریک تھا' لیکن زخمی مفید کراہتا ہوا' تالیہ کی راہنمائی کرتا انہیں اندر لے آیا۔

غار کے اندر پتھروں کا ڈھیر لگا تھا۔ سپاہیوں نے فوراً سے پتھر ہٹائے تو وہاں زمین میں ایک ڈھکن بنا تھا۔ ایک سپاہی نے ڈھکن اٹھایا' دوسرے نے اندر روشنی کی۔ وہاں سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ محض پندرہ بیس سیڑھیاں جن کو اتر کے ایک بڑا سا کمرہ آ جاتا تھا۔

اس نے مفید کی گردن چھوڑ دی۔ دو سپاہی اس کی پٹی وغیرہ کرنے اسے باہر لے گئے۔ دیگر سپاہی نیچے اترے اور کمرے کی دیواروں پہ لگی مشعلیں روشن کیں۔ پل بھر میں وہ کمرہ خوب روشن ہو گیا۔

تالیہ مراد کے کندھے پہ تیروں سے بھرا ترکش تھا اور ہاتھ میں پکڑی تلوار سے ڈریگن کا خون ٹپک رہا تھا۔ وہ مٹی کی سیڑھیاں قدم قدم نیچے اترنے لگی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ اداسی سے بھری مسکراہٹ۔

ایک زینہ....دوسرا زینہ....جیسے جیسے وہ اترتی گئی' کمرہ سامنے آنے لگا۔ اس میں قطار در قطار لکڑی کے صندوق رکھے تھے۔

سپاہیوں نے فوراً صندوقوں کے منہ کھول دیے تھے۔ اندر سونے کے موٹے موٹے سکے چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے ایک عرصہ یہ منظر دیکھنے کی خواہش کی تھی۔

کوئی رازوں سے بھرا کمرہ جس کا دروازہ وہ کھولے گی تو اندر سونے کے ڈھیر لگے ہوں گے۔

آج وہ پندرہویں صدی کے قدیم ملاکہ کے اس جزیرے کے زینے اتر رہی تھی اور سامنے موجود کمرہ ڈھیروں خزانے سے بھرا پڑا دکھائی دیتا تھا۔

بالآخر اسے خزانہ مل گیا تھا۔

ایڈم اس کے عقب میں زینے اتر رہا تھا۔ وہ خاموش تھا مگر سنبھل چکا تھا۔

تالیہ پہلے صندوق تک آئی اور اندر ہاتھ ڈالا۔ سکوں کی کھنک....سونے کی چمک....اس کے جذبات مچلنے لگے۔

وہ دوسرے صندوق تک آئی.... ہاتھ اس کے سکوں کے اوپر سے گزارا۔ سونے کا لمس....وہ ٹھنڈک...وہ چمک جو آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی۔

''تم لوگ اوپر جاؤ۔'' ایڈم نے سپاہیوں کو اشارہ کیا تو وہ سرِ تسلیم خم کرتے اوپر کی طرف چلے گئے۔

دیواروں پہ لگی مشعلوں کے شعلے جل رہے تھے اور زرد روشنی میں وہ دونوں اس دولت سے بھرے کمرے میں تنہا کھڑے نظر آ رہے تھے۔

''یا اللہ.... اتنا سونا.... اتنی دولت۔'' وہ ایک صندوق پہ جھکی اور جس میں طرح طرح کے زیورات کا ڈھیر لگا تھا۔ اس نے ہاتھ سے چند زیورا ٹھائے اور ان کو واپس اندر گرا دیا جیسے اس سے کھیل رہی ہو۔

''یہ آپ کے نہیں ہیں' چے تالیہ۔'' ایڈم کھنکھارتا ہوا آگے آیا اور صندوق کا ڈھکن بند کیا۔ وہ سنے بغیر اگلے صندوق تک آئی اور اس میں رکھی سونے کی ننھی اینٹ اٹھائی۔

''خالص سونا۔ اس کی چمک دیکھو۔ اس کو محسوس تو کرو ایڈم۔'' اس کے چہرے پہ بچوں جیسی خوشی تھی۔

''یہ ملاکہ کے غریب لوگوں کی امانت ہے' چے تالیہ۔'' ایڈم نے جلدی سے اینٹ اٹھا کے واپس اندر ڈالی اور دھڑام سے اس صندوق کا بھی ڈھکن گرایا۔ وہ بدقت ضبط کر رہا تھا۔

مگر وہ مست مگن سی ایک کے بعد ایک صندوق کی طرف جا رہی تھی۔ سونے میں ہاتھ ڈالتی اور کچھ نہ کچھ نکال لیتی۔ ایڈم بار بار اس کے پیچھے لپکتا اور ہر چیز اس سے واپس لے کر اندر ڈالتا۔

''یہ امانت ہے' چے تالیہ۔ ہم اس کو نہیں چھو سکتے۔''

''سوچو.... اگر یہ ہمارا ہو جائے تو....''

''چے تالیہ۔'' وہ ناراض ہوا تو اس نے گہری سانس لی اور نروٹھے پن سے اسے دیکھا۔

''جانتی ہوں جانتی ہوں۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے خوش تو ہو لینے دو۔''

''آپ نے خوشی خوشی میں اس خزانے میں نقب لگانا شروع کر دینا ہے۔''

''بے فکر رہو۔ اب میں اپنی اصلاح کر چکی ہوں۔ اب میں چوری نہیں کرتی۔'' وہ مڑ کے جانے لگی۔

''جی اسی لئے آپ نے ہر صندوق سے چند اشرفیاں اور اس والے سے تھوڑا سا زیور کھسکا کے اپنی جیب میں ڈالا ہے۔'' وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہتھیلی پھیلائی۔ تالیہ نے خفگی سے پلکیں اٹھائیں اور اسے دیکھا۔

''اتنے ے ے ے سارے خزانے میں سے دو تین چیزیں نکال لینے سے کس کا نقصان ہوگا؟''

''ہمارے ایمان کا نقصان ہوگا۔ اور وہ سب سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اب واپس کریں سب۔''

تالیہ نے (ہونہہ) کر کے سر جھٹکا اور جیبیں الٹ دیں۔ زیور' انگوٹھی' سکے نکال کے اس کی ہتھیلی پہ رکھے۔

''اور وہ جو آپ نے کان کے پیچھے بال اڑستے ہوئے سکہ اپنے جوڑے میں چھپایا تھا' وہ بھی دیں۔''

تالیہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بالوں میں ہاتھ ڈالا اور سکہ اس کی ہتھیلی پہ پٹخا۔ ایڈم کے لبوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''میدانِ جنگ میں نہ دشمن پہ ترس کھاتے ہیں نہ دوست کی طرف سے آنکھیں بند کرتے ہیں۔'' سمجھداری سے اسے بتایا۔

تالیہ اسے نظرانداز کر کے آگے بڑھ گئی۔

کمرے کے کونے میں ایک ڈیوڑھی سی بنی تھی جس میں مختلف خانے تھے۔ ان میں عجیب وغریب چیزیں رکھی تھیں۔ کڑے، انگوٹھیاں۔ تالے۔ ایک سونے کی گڑیا۔ اور سب سے اوپر ایک بوتل تھی۔ وہ اس بوتل کو پہچانتی تھی۔

اس نے بوتل اٹھائی اور اسے اوپر کر کے غور سے دیکھا۔

کانچ کی بنی بوتل خالی تھی۔ صرف پیندے میں چند قطرے جتنا باقی ماندہ مائع موجود تھا۔

''ایسی ہی بوتل میں ایک مشروب کے اندر چابی رکھی ہوتی تھی۔'' وہ بڑبڑائی۔

''مگر اب یہ خالی ہے۔''

''خالی ہے نہیں۔ اس کو خالی کیا گیا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہتے بوتل واپس رکھی۔ ''بابا کے ملازم یقیناً چابی کو کہیں اور لے گئے ہیں۔ شاید واپس بابا کے پاس!'' وہ اس کی طرف گھومی تو قدرے فکرمند لگتی تھی۔

''اب ہم چابی کیسے ڈھونڈیں گے؟''

تالیہ نے ایک نظر اطراف میں دوڑائی۔ ''ابھی چابی کی فکر نہیں کرنی۔ وان فاتح کا کہنا تھا کہ ہمیں پلان کے مطابق چلنا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم پلان کے مطابق چلیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایڈم نے گہری سانس لی اور ایک عزم سے بولا۔ ''میں ان صندوقوں کو باہر نکلواتا ہوں۔ پھر میں واپس چلا جاؤں گا اور....''

''نہیں ایڈم!'' وہ بولی تو آنکھیں ایڈم کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ ''یہ خزانہ تم نے ڈھونڈا ہے۔ یہ جزیرہ تم نے ڈھونڈا ہے۔ تمہارے الفاظ نے ڈریگن کے مالک کو مجبور کیا کہ وہ پسپائی اختیار کرے۔ اس خزانے کا راز تمہارا ہے۔ اس راز کو افشاء کرنا بھی تمہارا حق ہے۔''

''مگر....'' ایڈم لمحے بھر کو گنگ ہو گیا۔ ''پلان کے مطابق میں نے واپس جانا تھا اور آپ نے بعد میں یہ خزانہ لے کر واپس ملاکہ آنا تھا۔ آپ شہزادی ہیں اور میں تو بس.... (نگاہیں جھک گئیں)...ایک ادنیٰ غلام ہوں۔''

''اور ساتھ میں ایک بھگوڑے فوجی بھی ہو۔ مگر خیر....'' شہزادی نے بڑی نخوت سے گال پہ آئی لٹ پیچھے کی۔ ''تم بھی کیا یاد کرو گے! کیا اعزاز بخشنے جا رہی ہوں تمہیں!''

''کیا واقعی؟'' اس نے حیران سی نظریں اٹھائیں۔ ''آپ مجھے اس خزانے کا امین بنا رہی ہیں؟''

''میں جانتی ہوں پلان کے مطابق مجھے یہیں رہ کے اگلے مرحلے کا انتظار کرنا تھا مگر میں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے ملکہ کی طرف سے خطرہ ہے۔ وہ فاتح کو مشکل میں نہ ڈال دیں۔''

''مگر وان فاتح کو تو کبھی کسی کی ضرورت نہیں رہی۔''

''یہ ان کا خیال ہے اور ضروری نہیں کہ ان کا ہر خیال درست ہو۔'' پھر تالیہ نے گردن گھمائی اور خزانے سے بھرے کمرے کو دیکھا۔

''تمہاری ماں نے کہا تھا کہ ایک دن آئے گا جب ایڈم بن محمد کو اللہ تعالیٰ زمین میں مدفن خزانوں کے راز سمجھا دے گا' اور اس دن ایڈم دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں اور بادشاہوں سے بھی زیادہ طاقتور ہوگا۔ اور میں نے کہا تھا۔ آمین۔ شاید یہ وہی دن ہے' ایڈم۔ تم اس خزانے کے مالک ہو۔ اب یہ تمہارا امتحان ہے کہ تم حق کے لئے کھڑے ہوتے ہو یا نہیں۔ رہی میں' تو میرا خزانہ سن باؤ کے گھر چھپا ہے اور میرا مراد مقصود صرف وہ چابی ہے۔ اس لئے مجھے جانا ہوگا۔''

تالیہ مراد کی آواز میں تحکم کی ہلکی سی رمق موجود تھی۔ ایڈم بن محمد نے سر کو تسلیم خم کر دیا۔

شہزادی حکم سنا کے اب سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس کے کندھے کی پشت پہ بندھے ترکش میں اب بھی کافی تیر باقی تھے۔ بچے تالیہ کے منصوبوں کی طرح۔

وہ خزانے سے بھرے کمرے میں تنہا کھڑا سوچ رہا تھا۔

اگر یہ وہ دن ہے.... جب مجھے زمین کے خزانوں کا راز معلوم ہو جانا تھا... تو مجھے دنیا کے سارے بادشاہوں سے زیادہ طاقتور ہونا تھا۔ پھر اتنا طاقتور کیوں نہیں محسوس کر رہا میں خود کو؟

وہ سوچ رہا تھا۔ حیران۔ پریشان۔

سپاہی اب نیچے اتر رہے تھے۔ کچھ نے تالیہ کے ساتھ واپس جانا تھا۔ کچھ نے ایڈم کے ساتھ یہیں رہ کے اگلے مرحلے کا انتظار کرنا تھا۔

☆......☆......☆

مدھم موم بتیاں مراد راجہ کی خواب گاہ کو نیم روشن کیے ہوئے تھیں۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ چوکڑی مار رکھی تھی۔ اور اردگرد تیرہ موم بتیاں قطار میں جلا رکھی تھیں۔ سامنے ایک بھری ہوئی بوتل رکھی تھی جس کے پیندے میں سنہری سکہ اور زنجیر تیر رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے' دونوں ہاتھ بوتل سے چند انچ اوپر پھیلائے زیرِ لب کچھ پڑھ رہا تھا جب دروازے پہ دستک ہوئی۔

مراد نے توجہ نہ دی۔ وہ اسی طرح آنکھیں موندے منتر پڑھنے میں مصروف رہا۔

دفعتاً دوبارہ دستک ہوئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ سرخ پڑ رہی تھیں۔

دستک تواتر سے ہونے لگی۔

مراد نے برہمی سے دروازے کو دیکھا۔ پھر پھونک مار کے ساری موم بتیاں بجھا دیں۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ وہ اندھیرے میں اٹھا۔ کھڑکی تک گیا۔ پیالے سے پانی لے کر چہرے پہ ڈالا' پھر دیا سلائی سلگائی اور قندیل روشن کی۔

اندھیرا چھٹا اور اب کی دفعہ کمرہ عام روشنی سے روشن ہوا۔ وہ موم بتیوں کی نحوست بھری روشنی عنقا ہو چکی تھی۔

اس کے گیلے چہرے کے تاثرات نارمل ہو چکے تھے اور آنکھوں کی سرخی کم تھی۔ سادہ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس مراد نے سرخ پٹی ماتھے پہ باندھی اور دروازے کی طرف بڑھا جو مسلسل بج رہا تھا۔

''کون سا عذاب آ گیا تھا جو مجھے اس وقت تنگ کیا ہے؟'' پٹ کھولتے ہی وہ دھاڑا تھا۔ ''کیا جانتے نہیں ہو یہ بنداہارا کی عبادت کا وقت ہوتا ہے۔''

''راجہ!'' سپاہی نے دونوں ہاتھ باندھے عرض کی۔ ''سلطان کا پیغام آیا ہے۔ آپ کو فوری طور پہ بلا بھیجا ہے۔''

''اس وقت؟'' مراد کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''سلطان نے.... کہا ہے کہ....'' سپاہی نے تھوک نگلا۔ ''اگر مراد اپنے پیروں پہ چل کے نہ آئے تو بیڑیوں میں لے آؤ۔''

ملاکہ سلطنت کے عظیم بنداہارا مراد راجہ کے ماتھے کی ساری شکنیں غائب ہو گئیں۔

''ہوا کیا ہے؟'' اسے پریشانی ہوئی۔

''معلوم نہیں' راجہ۔ مگر آقا سخت برہم لگ رہے ہیں۔''

''چلو۔'' وہ فوراً مڑا' اپنی قبا اٹھا کے کندھوں پہ ڈالی' پیروں میں جوتی گھسیٹی' تلوار اٹھانے لگا' پھر واپس رکھ دی۔ اس کے کسی انداز سے جارحیت کی بو نہیں آنی چاہی۔

باہر نکلنے سے قبل وہ بوتل کو خاص جگہ پہ چھپانا نہیں بھولا تھا۔

☆......☆......☆

تین چاند والے جزیرے کی وہ چھوٹی پہاڑی چاندنی میں دمک رہی تھی۔ اس کی چوٹی پہ بڑا سا شیشہ تراش کے لگایا گیا تھا یا شاید وہ نمک تھا جو اتنا شفاف تھا کہ چاند کا عکس اس میں جھلملاتا تھا۔

دوسرا چاند سمندر پہ تیر رہا تھا اور تیسرا چاند آسمان پہ بادلوں کے اوپر ٹیک لگائے نیم دراز نیچے جزیرے کے ساحل کو دیکھ رہا تھا۔

دور افق پہ مدھم سی روشنی دکھائی دیتی تھی۔ سیاہ آسمان جامنی ہو رہا تھا اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ صبح ہونے میں کم وقت رہ گیا تھا۔ ایسے

میں ساحل پہ کھڑی کشتی کو سپاہی سفر کے لئے تیار کر رہے تھے۔ چند سپاہی پہاڑی کے دامن میں غار کی طرف آتے جاتے دکھائی دیتے تھے۔

تالیہ اور ایڈم کشتی کے ساتھ کھڑے تھے۔ آمنے سامنے۔ تالیہ نے اپنا چغہ پہن رکھا تھا' تیز ہوا سے اس کے بال بار بار چہرے پہ آتے جن کو وہ کانوں کے پیچھے اڑستی۔ ایڈم اداس مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''احتیاط سے جائیے گا۔ سمندری سفر خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔''

''ہمیشہ مایوسی کی باتیں کرتے ہو ایڈم۔'' وہ بے فکری سے مسکرائی۔ ''ہم پلان پہ چل رہے ہیں تو ڈر کیسا؟ بس کل تک میں واپس ملاکہ پہنچ جاؤں گی۔ تم تب آنا جب دوسرا مرحلہ پورا ہو جائے۔'' اس نے ذومعنی انداز میں یاد دلایا۔

ایڈم نے سر اثبات میں ہلایا۔ پھر آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے غور سے اسے دیکھا۔

''کیا واقعی آپ یہاں سے کچھ چرا کے نہیں جا رہیں؟ آپ چوری سے جا سکتی ہیں۔ ہیرا پھیری سے نہیں۔''

''ارے وہ سب تو میں نے مذاق میں اٹھایا تھا۔'' وہ کھلکھلائی۔ ''ابھی اتنے ٹرکس نہیں سکھائے تمہیں کہ میرے ہاتھ کی صفائی پکڑ سکو۔''

''میری نظر بہت اچھی ہے بے چ تالیہ۔ یاد کریں۔ مسز عصرہ کی گیلری میں پہچان گیا تھا کہ آپ تنکو کامل کی ملازمہ ہیں۔''

اور وہ دونوں ہنس پڑے۔ پھر تالیہ نے گردن گھمائی۔ وہ دونوں ساحل پہ کھڑے تھے اور سامنے چاندنی سے چمکتے پانیوں والا سمندر بہہ رہا تھا۔ خاموش' ساکن سمندر۔ پندرہویں صدی کا جوان سمندر۔

''وقت کے اس پار کیا ہو رہا ہوگا' ایڈم؟'' نیلے پانیوں کو دیکھتے ہوئے اس کی آواز میں اداسی گھل آئی۔

''میں تو صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ پانی کے اس پار کیا ہو رہا ہوگا۔ اگر وان فاتح کا راز کھل گیا اور راجہ نے ان کو گرفتار کر لیا یا ان کی جان لینے کی کوشش کی تو کیا ہوگا۔''

''نہیں۔ بابا ان کو یوں ایک دم مار نہیں دیں گے۔''

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ اگر راجہ نے ان کو مارا نہیں بلکہ چناؤ کا اختیار دے دیا تو وہ کس کو چنیں گے۔''

تالیہ چونکی۔ سمندر کی لہریں پل بھر کو تھم گئیں۔ سارا جزیرہ دم سادھے سننے لگا۔

''کیا مطلب؟''

''یاد رکھیے گا۔ اگر ان کو چناؤ کا موقع ملا تو وہ آپ کو یا مجھے کبھی نہیں چنیں گے۔''

تالیہ کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔ ماتھے پہ بل در آئے۔ ''تم میں اور مجھ میں فرق ہے ایڈم۔''

''صرف اتنا کہ آپ سے انہوں نے نکاح کیا ہے' مگر یاد رکھیے گا۔ وہ ہمیشہ ہمارے ہیرو رہیں گے اور ہم ان کے فینز۔ ادنیٰ کارکن۔ بس!''

''تمہیں کیوں لگتا ہے باپا ان کو چناؤ کا اختیار دیں گے اور کس قسم کے چناؤ کی بات کر رہے ہو تم؟'' وہ الجھی الجھی ہوئی تھی۔ اسے یہ باتیں ناگوار گزر رہی تھیں۔

''یہ مجھے نہیں معلوم۔ مگر اتنے مہینے ایک محل میں رہا ہوں میں چے تالیہ۔ اتنا تو بتا سکتا ہوں کہ یہ حکمران بڑے فیصلوں میں ہم ادنیٰ کارکنوں کو شریک نہیں کرتے۔ اس لئے.... اگر آپ کو چناؤ کا موقع ملے تو میرے جزیرے سے آنے کا انتظار مت کیجئے گا۔ خود اس دروازے کو پار کر لیجئے گا۔''

''نہیں ایڈم!'' وہ بولی تو آنکھوں میں قدرے غصہ تھا۔ ''ہم ایک ساتھ آئے تھے اور ایک ساتھ جائیں گے۔ اگر ہم میں سے کوئی مر گیا تو اس کی لاش ساتھ جائے گی۔ تم فی الحال اس خزانے کو سنبھالو۔ میں ملاکہ میں تمہاری منتظر رہوں گی۔''

اس کا انداز قطعی اور حتمی تھا۔ ایڈم نے پھر سے سر کو خم دیا۔

''الوداع شہزادی!''

تالیہ نے چغے کی ٹوپی سر پہ برابر کی اور کشتی کی طرف بڑھ گئی۔ اس پہ بیٹھتے ہی اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔

ساحل کنارے چغہ پوش آدم بن محمد کھڑا اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ چند سپاہی اس کے آس پاس کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ملاح سپاہی نے بادبان کھول دیا اور کشتی کو پانی پہ دھکیل دیا۔ پھر چپو چلانے لگے۔

وہ عرشے پہ ایک لکڑی کی چوکی پہ بیٹھ گئی اور رخ پانی کی طرف موڑ دیا۔ کنکھیوں سے وہ ساحل کنارے کھڑے ایڈم کو دیکھ سکتی تھی۔ جب کشتی سمندر پہ دور نکل آئی اور آسمان پہ فجر طلوع ہونے لگی تو تالیہ نے چغے کے اندر ہاتھ ڈال کے نکالا تو اس میں ایک چمکتی ہوئی شے تھی۔

یہ وہ چیز تھی جو اس نے غار میں رکھی عجیب وغریب چیزوں میں سے اٹھائی تھی۔ یہ سونے کی ہیئر پن تھی جس کو جوڑے میں لگایا جاتا تھا۔ اس کے دہانے پہ ہرن کا چہرہ بنا تھا' آنکھوں میں ہیرے لگے تھے۔ اور پیچھے جا کے وہ لمبی نوکیلی ہو جاتی تھی۔ تالیہ نے اسے اٹھا کے روشنی میں دیکھا اور مسکرائی۔

''ایڈم بن محمد.... یہ ملاکہ کے لوگوں کی نہیں میرے باپا کی شے تھی۔ جانے یہ کس لئے استعمال ہوتی ہے مگر نئے دور میں جا کے یہ اچھی خاصی قیمت پہ بک جائے گی۔ اس میں قیمتی ہیرے اور خالص سونا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔'' وہ خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔ اس کی کشتی سمندر پہ تیرتی جزیرے سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

مراد راجہ جب سلطنت محل پہنچا تو صبح ہونے میں کافی وقت تھا۔ سپاہی اسے فوراً اندر لے گئے۔ مراد نے چہرہ بے تاثر رکھا مگر

حقیقتاً وہ پریشان تھا۔

اسے ایک ملاقاتی کمرے میں بٹھا کے سپاہی چلے گئے۔ وہ کافی دیر انتظار کرتا رہا۔ بے چینی سے ٹہلتا رہا۔ ایک دو بار دربانوں کو آواز دی تو انہوں نے بتایا کہ آقا غسل فرما رہے ہیں۔ مراد ضبط کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔

اسے اتنا انتظار مرسل نے پہلی دفعہ کروایا تھا۔

صبح کی پہلی کرن باہر آسمان پہ دکھائی دی تو مرسل شاہ کمرے میں داخل ہوا۔ وہ کہیں سے بھی حالت نیند میں نہیں لگتا تھا نہ بال گیلے تھے۔ شاید وہ اتنی دیر کچھ سوچنے میں مصروف رہا تھا۔ پیشانی سلوٹ زدہ تھی۔ مراد نے غور سے اسے اندر آتے اور مسہری پہ براجمان ہوتے دیکھا۔ ایک ہاتھ گھٹنے پہ جمائے' وہ سیدھا بیٹھا قدرے خفگی سے مراد کو دیکھ کے بولا۔

''آ گئے تم؟'' ساتھ ہی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

مراد آہستہ سے سامنے بیٹھا۔

''کافی دیر ہو چکی' آقا۔ خیریت تھی؟ کہیں بغاوت کا اندیشہ تو نہیں ہوا؟ یا دشمن کا حملہ؟'' وہ بظاہر فکرمندی سے بولا مگر آواز میں معمولی سا گلہ بھی تھا۔

''مراد راجہ!'' مرسل نے بھنویں اکٹھی کیے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''دشمن کے حملے سے زیادہ تکلیف دہ بات میرے لئے یہ ہوگی کہ میرا بندا ہارا مجھ سے جھوٹ بولے۔''

مراد کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔ تاثرات میں حیرانی گھل گئی۔

''میری جان لے لیجئے آقا' مگر مجھے بتایئے تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔'' پھر اسے خیال گزرا۔ ''کیا چین سے قرضہ لینے کے فیصلے پہ میری رائے....''

''تم نے اپنی بیٹی کو کنواری کیوں کہا جب کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ شادی شدہ ہے۔'' وہ اکھڑے اکھڑے مگر مضطرب لہجے میں بولا تو مراد نے تعجب سے دونوں ابرو اچکائے۔

''میری بیٹی ....شادی شدہ؟'' پھر وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ ''ایسا مذاق کس نے کیا آپ سے آقا؟'' وہ حیران تھا مگر جیسے محظوظ بھی ہوا تھا۔

مرسل کے تاثرات قدرے بدلے۔ چہرے کے تناؤ میں کمی آئی۔ وہ ذرا آگے کو ہوا۔

''تو یہ بات غلط ہے کہ ملک چین میں تمہاری بیٹی کی پہلے شادی ہو چکی ہے اور اس بات کو چھپا کے مجھ سے جھوٹ بول رہے تھے۔'' وہ بے چین لگتا تھا۔

کھڑکی کے پار جامنی آسمان سفید پڑ رہا تھا۔ روشنی اندر آئی تو کمرہ منور ہونے لگا اور قندیلوں کی روشنی ماند پڑنے لگی۔

''میں سمجھ گیا آقا۔'' مراد نے گہری سانس لے کر سر ہلایا۔ ''آپ کو ایسی بات کسی چین سے تعلق رکھنے والے نے کہی ہوگی۔ ظاہر ہے اس شادی پہ سب سے زیادہ تکلیف چینیوں کو ہی ہوگی۔ کیا آپ نے سمجھ لیا تھا کہ یہ شادی آپ آرام سے کر لیں گے اور گستاخی معاف' ملکہ کوئی ردِعمل نہیں دیں گی؟ آپ تو برے سے برے حالات کے لئے بھی تیار تھے آقا' پھر اب ان فضول باتوں پہ کیوں دھیان رے دہے ہیں۔'' کمرہ مزید منور ہوا تو مرسل کے چہرے پہ آئے شک کے بادل بھی چھٹنے لگے۔

''یعنی....شہزادی تاشہ کی کوئی شادی نہیں ہوئی۔ اور وہ....وہ میرے نکاح میں آسکتی ہیں۔''

مرسل کے چہرے پہ خوشی اور اندیشے ایک ساتھ موجود تھے۔ مراد رسان سے مسکرایا اور آگے کو جھکا۔

''آقا' یہ صرف ایک سازش ہے' مجھے آپ سے دور کرنے اور اس شادی کو رکوانے کے لئے۔ میری بیٹی غیر شادی شدہ ہے اور وہ آپ کی ہی ملکہ بنے گی۔ آپ اس کو بلوا کے بھی پوچھ سکتے ہیں۔ میں خود قرآن پہ ہاتھ رکھ کے حلف لینے کو تیار ہوں۔ آپ ان واہموں سے نکل آئیں۔''

''اوہ۔'' مرسل شاہ نے گہری سانس لی۔ کھڑکی سے آتی روشنی نے کمرے کے سارے اندھیرے دور کر دیے تھے۔ فضا جیسے صاف ہوگئی تھی۔ ''تو یہ صرف ایک سازش تھی؟ میں خوامخواہ اتنا پریشان رہا۔'' اس نے بے اختیار پیشانی مسلی جیسے بہت سے تناؤ کو خارج کیا۔

''یہ تو ابھی شروعات ہیں' آقا۔ آگے بہت کچھ ہوگا۔ آپ کو خود کو مضبوط بنانا ہوگا۔ ہمیں مل کے ان سب سازشوں کا مقابلہ کرنا ہے۔'' پھر مراد نے کھڑکی سے باہر نگاہ دوڑائی۔ ''مجھے فوج کی مشقوں کی نگرانی کے لئے جانا ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو....''

''ہاں ہاں۔ تم جاؤ۔'' مرسل نے ہاتھ جھلایا۔ وہ مطمئن اور پرسکون نظر آنے لگا تھا۔ مراد ادب سے سر کو خم دے کے اٹھا اور الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔ کمرہ اتنا روشن ہو چکا تھا کہ دروازے کے ساتھ جلتی قندیل کا شعلہ بے معنی سا لگتا تھا۔ اس نے لوہے کا ڈھکن اٹھایا تاکہ قندیل کے اوپر رکھ کے شعلہ بجھا دے۔

''اصل میں ملکہ نے بھی عجیب غلط سلط باتیں میرے ذہن میں ڈال دیں۔'' مرسل شاہ پیچھے سے بڑبڑا رہا تھا۔ ''وہ بولیں کہ تاشہ کی شادی اس مرد سے ہوگئی تھی جو اس کے ساتھ چین سے یہاں آیا ہے' اور تو اور' مراد راجہ نے اس کو اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔''

مراد نے زوردار آواز سے لوہے کا ڈھکن شعلے کے اوپر رکھا۔

ہوا کا رستہ رک گیا۔

شعلہ بجھ گیا۔

مگر اس کا ہاتھ ڈھکن پہ ساکت ہوگیا۔

مرسل کی طرف اس کی پشت تھی' اس لئے مرسل اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا جو ایک دم زلزلوں کی زد میں آ گیا تھا۔

سیاہ پڑتا ساکت چہرہ۔

اس نے ڈھکن سے ہاتھ ہٹایا تو وہ بہت وزنی محسوس ہوتا تھا۔ بدقت مراد راجہ نے قدم آگے بڑھائے اور باہر نکل گیا۔

راہداری میں تیز تیز قدم اٹھاتا بندا ہار اس چہرے کے ساتھ نہیں جا رہا تھا جس کے ساتھ وہ آیا تھا۔

☆......☆......☆

تین چاند والے جزیرے پہ بھی صبح طلوع ہو چکی تھی۔ سمندر کا پانی لہروں کی صورت بار بار ساحل سے ٹکراتا اور واپس پلٹ جاتا۔ پہاڑی کے دامن میں درختوں تلے صندوق قطار در قطار رکھے تھے اور ان کے اوپر لکڑیوں کے چھپر بنائے گئے تھے۔ تاکہ وہ بارش سے محفوظ رہیں۔ سپاہی اب ایک طرف آگ جلا کے ناشتے کا انتظام کرنے میں مصروف تھے۔ جنگل کے اندر کوئی نہیں گیا تھا کیونکہ یقیناً وہاں بہت سے خونی کموڈو ڈریگن موجود تھے جو ہر سیاح کو کھا جاتے تھے اور لوگ اس جزیرے سے واپس نہیں لوٹتے تھے۔

پھر ایک سپاہی نے جنگل میں جانے کی ہمت کی اور تھوڑی دیر بعد چند پرندے شکار کر کے لے آیا۔ ویسے تو ان کے پاس کھانے کا وافر سامان موجود تھا مگر پرندے مل جانا بھی غنیمت تھا۔ اب دو افراد ان پرندوں کو آگ پہ بھونتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایڈم ساحل کے پتھروں کے پاس بیٹھا تھا۔ کاغذ گھٹنوں پہ رکھے وہ سیاہی میں قلم ڈبو ڈبو کے الفاظ صفحے پہ اتار رہا تھا۔

''مورخ صاحب!'' پیچھے سے ایک سپاہی نے اسے مخاطب کیا تو اس نے گردن موڑی۔

''ہاں کیا ہوا۔''

''میں سوچ رہا ہوں لکڑیاں کاٹ کے کشتی بنانے کا انتظام کروں۔ شہزادی تاشہ کے چلے جانے کی وجہ سے ہمارے پاس کوئی کشتی نہیں ہے۔ بالفرض 'دوسرا مرحلہ' ناکام ہو جاتا ہے تو ہم کیا کریں گے؟'' وہ فکرمند لگتا تھا۔

ایڈم ہلکا سا مسکرایا۔ ''ہاں تم اپنا انتظام پورا رکھو مگر مجھے یقین ہے کہ ہم دوسرے مرحلے تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ جو لوگ سچ کا ساتھ دینا چاہتے ہیں' ان کے لئے راستے اللہ تعالیٰ خود کھولتا ہے۔''

سپاہی نے گردن موڑ کے درختوں کے چھپر تلے رکھے صندوقوں کو دیکھا اور پھر اس مورخ کو جو واپس کاغذوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ (سچ کیسا؟ ہم تو شہزادی کی غلامی اور احسانات کی وجہ سے ان سے وفا کر رہے ہیں۔ مگر خیر بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔)

پھر ایڈم کے قلم کاغذ کو دیکھا تو بولا۔ ''آپ لکھنے کا سامان ساتھ لائے تھے؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''سراقہ کے کنگن والا واقعہ سنا ہے تم نے' سادونگ؟'' وہ مسکرا کے لکھتے ہوئے بولا تو سپاہی سوچ میں پڑ گیا۔

''وہ صحابی جن کو عمر بن خطابؓ نے فتح ایران کے بعد کسریٰ کے کنگن بھجوائے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھے تھے؟''

''ہاں۔ جانتے ہو جب وہ صحابی نہیں تھے تو کیا تھے؟'' ایڈم لکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ لہروں کا شور اور نم ہوا' کچھ بھی اسے کام سے غافل نہیں کر پا رہا تھا۔ ''وہ ہجرت مدینہ کے موقع پہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کا پیچھا کرتے ان سے جا ملے تھے۔ وہ ان کو گرفتار کروانا چاہتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کی دعا سے ان کا گھوڑا ہلنے سے انکاری ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں۔ اس وقت انہوں نے آپ ﷺ سے امن کا پروانہ لکھ دینے کی درخواست کی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پہ ان کو وہ پروانہ لکھ کے دے دیا گیا تھا۔ جانتے ہو مجھے اس واقعے میں سب سے زیادہ کیا چیز حیران کرتی ہے؟'' شاہی مورخ قلم ہاتھ میں لئے کہہ رہا تھا۔

''یہی کہ ہجرت کے وقت کی بے سروسامانی کے عالم میں بھی لکھنے کا سامان ساتھ رکھا گیا تھا۔ جب مدینہ کی طرف جانے والوں کو اپنی جان بچانی تھی اور تعاقب کرنے والے کو سو اونٹوں کے لالچ نے بے تاب کر رکھا تھا' تب بھی کسی کے پاس لکھنے کا سامان موجود تھا۔ یہ لکھنا بھی عجیب چیز ہے۔ یہ کام انسان کو شروع سے نہیں آتا تھا۔ بہت سے کام انسان نے خود سیکھے۔ غاروں سے عمارتوں تک وہ خود پہنچا مگر لکھنا بالواسطہ اسے اللہ تعالیٰ نے سکھایا۔ کہتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام کو وحی کے ذریعے لکھنا سکھایا گیا تھا۔ اس سے پہلے انسان لکھا نہیں کرتے تھے۔''

سادونگ نے گہری سانس لے کر اس مورخ کو دیکھا جو اپنے کاغذات کو دیکھتے ہوئے محبت سے کہہ رہا تھا۔

''تم نے پوچھا کہ میں نے لکھنے کا سامان کیوں ساتھ رکھا ہے؟ تو یہ ہے میرا جواب۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہم مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھی ہیں۔ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ بڑے بڑے کام کریں۔ میں شاید بڑے بڑے کام نہیں کر سکتا۔ مجھ میں نہ اتنا ہنر ہے نہ اتنی ذہانت۔ نہ میرے پاس اتنے ذرائع ہیں۔ میں اکثر مایوس ہوتا تھا کہ میں اس اعلیٰ مقام تک کبھی نہیں پہنچ سکتا جس کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ وان فاتح مجھے بڑی بڑی مثالیں دیا کرتے تھے۔ مگر مجھے ملاکہ نے یہ سکھایا ہے کہ انسان کو بڑے کام کرنے کے لیے پہلے چھوٹے چھوٹے کام کرنے پڑتے ہیں۔ اور میں نے اس چھوٹے کام سے شروع کیا!'' اس نے اپنا قلم اٹھا کے دکھایا۔ سادونگ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ اس کی باتیں سننا اس کی مجبوری تھی۔

''قلم سے۔ قلم نے اس واقعے میں کسی کی زندگی بچائی تھی۔ برسوں بعد بھی سراقہ بن مالک نے اس پروانے کو دکھا کے امن حاصل کیا تھا۔ تحریر میں جان بچانے کی طاقت ہوتی ہے سادونگ۔ جن لوگوں کو لکھنا آتا ہے' ان کا نہ لکھنا گناہ ہوتا ہے۔ اور مجھے لکھنا آتا ہے۔ جو سکون مجھے لکھنے سے ملتا ہے' کسی چیز سے نہیں ملتا۔ اب لکھنا میری مجبوری ہے۔ میں اگر نہیں لکھوں گا تو ایک عطائے خداوندی کو ضائع کروں گا۔ اور یہ گناہ ہے۔ تو میں یہ قلم کاغذ اس لئے ساتھ لایا تھا کیونکہ میں نے یہ بات اپنے نبی ﷺ کی زندگی سے سیکھی ہے۔ وہ دنیا کے سب سے عظیم انسان ہیں۔ میں یہ نہیں سوچتا کہ ہر وقت لکھنے کا سامان ساتھ رکھنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے' مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر مجھے آپ ﷺ جیسا سچا اور دیانت دار انسان بننا ہے تو مجھے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنانا ہوگا۔ تب ہی میں بڑے بڑے کام کر سکوں گا۔''

جرنیل سادونگ نے گہری سانس لی اور دونوں ابرو اٹھائے۔ ''درست فرمایا۔اب میں ذرا کشتی کا سامان بنانا شروع کر دوں۔'' اور ذراسی جھرجھری لے کر وہ مڑ گیا۔ایڈم نے مسکرا کے سر جھٹکا اور واپس کاغذ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ابھی اسے کافی سارا لکھنا تھا۔اگر شہزادی تاشہ کی امیدیں سچی تھیں اور انہوں نے واقعی وقت کے اس پار چلے جانا تھا تو اسے یہ کتاب جلد از جلد مکمل کرنی تھی۔

☆......☆......☆

ملاکہ سلطنت کا بنداہارا مراد راجہ اپنے محل میں داخل ہوا تو اس کی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔اس کی نظر سے دیکھو تو سارے منظر نامے پہ سرخ دھند چھائی تھی۔دھندلی سی راہداری تھی جس میں وہ لمبے ڈگ بھرتا جا رہا تھا۔تیز تیز....راہداری بڑھتی جا رہی تھی....وہ چلتا جا رہا تھا...سرخ دھند گھنی ہوتی جا رہی تھی.....

درمیان میں کتنے لوگ آئے....پہریدار' دربان' سپاہی' غلام۔اس نے ہر ایک کو ہاتھ جھلا کے ہٹنے کا کہا۔

لوگ ہٹتے گئے۔راستہ دیتے گئے۔سرخ دھند دھوئیں میں بدلنے لگی۔ایسا دھواں جس میں سانس لینا تک دشوار ہو رہا تھا۔

اس کا سینہ بار بار گھٹ رہا تھا۔مٹھیاں بھنچی ہوئی اور ناخن ہتھیلی میں پیوست محسوس ہوتے تھے۔آنکھیں دہکتے انگاروں جیسی ہو رہی تھیں۔کسی بھوکے بھیڑیے کی مانند وہ جارحانہ انداز میں قدم اٹھا رہا تھا۔

(شہزادی نے اس شخص سے شادی کر رکھی ہے جو چین سے اس کے ساتھ آیا ہے۔اور مراد راجہ نے اس کو اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔) الفاظ اس کے کانوں میں پگھلا سیسہ انڈیل رہے تھے۔

گول زینہ سامنے آیا تو وہ بھی سرخ دھوئیں کی لپیٹ میں تھا۔ایسا دھواں جس میں انسانی گوشت کے جلنے کی بو شامل ہوتی ہے۔

مراد راجہ زینے اترنے لگا۔ایک ایک زینہ چھوڑ کے پھلانگتا....وہ گول سیڑھیاں چکر کی صورت عبور کرتا نیچے آیا۔

وہاں قید خانے بنے تھے۔قطار در قطار۔قیدی اسے دیکھ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔مگر وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔سرخ دھواں گھنا ہوتا گیا۔بو شدید محسوس ہو رہی تھی۔

راہداری کے سرے پہ وہ کال کوٹھڑی تھی۔اس نے آتے ساتھ ہی زور سے دروازے پہ ہاتھ مارا۔ساتھ کھڑے پہریدار نے جلدی سے تالہ کھولا تو مراد پٹ دھکیلتا اندر داخل ہوا۔

سرخ دھند میں اتنا نظر آیا کہ قیدی کونے میں زمین پہ بیٹھا ہے۔پیر سے زنجیر بندھی ہے اور زنجیر کے سرے پہ وزنی لوہے کی گیند ہے۔اسے دیکھ کے قیدی نے سر اٹھایا' اس کی چھوٹی آنکھوں میں چمک آئی اور وہ مسکرایا۔سنہری رنگت اور چھوٹے بالوں والا خوش شکل قیدی جو بوسیدہ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس اکڑوں بیٹھا تھا' اس وقت کسی دوسری دنیا کا فرد لگ رہا تھا۔

راجہ مراد کو سرخ دھند میں اس کے کپڑے بھی سرخی مائل نظر آ رہے تھے۔

اس نے قیدی کو گریبان سے پکڑ کے کھڑا کیا اور دیوار سے لگا کے غرایا۔

''تمہارا میری بیٹی سے کیا تعلق ہے؟''

فاتح نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے۔ سر کی پشت دیوار سے لگائے رکھی۔ اور ابرو اچکا کے مسکرایا۔

''تم یہ سوال مجھے کرسی پیش کر کے بھی پوچھ سکتے ہو۔''

''بتاؤ مجھے.... کون ہو تم؟ ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گا۔'' مراد کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

چند لمحے کے لیے قید خانے میں خاموشی چھا گئی۔ صرف مراد کے تیز' بے ربط تنفس کی آواز سنائی دیتی تھی۔

''ہماری دنیا میں ہمیں گیم تھیوری پڑھائی جاتی تھی۔ گیم تھیوری۔ حکمتِ چال۔ ایک ایسی حکمت ہے جو کھیل' سیاست' جنگ حتیٰ کہ تمام بڑے فیصلے لیتے وقت استعمال کی جاتی ہے۔ کیا تم نے کبھی حکمتِ چال کے بارے میں سنا ہے' راجہ؟'' وہ تحمل سے بولا تو مراد راجہ نے جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑا اور دو قدم پیچھے ہٹا۔ اسے جیسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اس آدمی کے ساتھ کیا کرے۔ بس دانت کچکچاتا وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اپنی ہی رو میں کہہ رہا تھا۔

''کھلاڑی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ متناہی اور لا متناہی۔ متناہی کھلاڑی محدود ہوتے ہیں۔ تمہارے جیسے۔ وہ جب کھیلتے ہیں تو اصولوں کے اندر رہتے ہوئے' ایک مقرر کردہ ہدف کو حاصل کرنے کے لئے کھیلتے ہیں۔ وہ صرف جیتنے کے لئے کھیلتے ہیں۔ محدود کھلاڑی ہارتے بھی ہیں' اور جیتتے بھی ہیں کیونکہ ان کا مقصد صرف طاقت کا حصول ہوتا ہے۔''

''میں آخری بار انسانوں کی زبان میں پوچھ رہا ہوں کہ تم کون ہو؟'' وہ غرایا تھا۔ اس کا چہرہ غیض وغضب سے سیاہ پڑ رہا تھا۔

''مگر لا متناہی کھلاڑی میرے جیسے ہوتے ہیں۔ لا محدود۔ وہ بغیر اصولوں کے' بغیر کسی ہدف کے کھیلتے ہیں۔ ان کا مقصد جیتنا یا کوئی مقصد حاصل کرنا یا طاقت پالینا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ارادے کی مضبوطی سے کھیلتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے اصول بدل لیتے ہیں' حدود کو آگے پیچھے کر لیتے ہیں' کیونکہ وہ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہوتے ہیں۔ وہ صرف کھیل کو بڑھاتے رہنے کی غرض سے کھیلتے جاتے ہیں۔ وہ جیتنے کے لیے نہیں کھیلتے اس لیے غیر لا متناہی کھلاڑی کبھی نہیں ہارتے۔ ان کو کوئی ہرا ہی نہیں سکتا۔''

''تمہارا.... میری بیٹی سے.... کیا تعلق ہے؟'' راجہ نے چبا چبا کے الفاظ ادا کیے تو غصیلی نظریں اس پہ جمی تھیں.... کال کوٹھڑی کے اندر وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور باہر راہداری میں سپاہی ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے تھے۔

''ہماری دنیا کی حکمتِ چال کے مطابق... تم ایک لا متناہی کھلاڑی کو نہیں ہرا سکتے۔ بقا کی جنگ لڑنے والے زماں ومکاں کی قید سے نکل کے کھیلتے ہیں۔'' پھر اس نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''ہمیں تم سے تب تک کھیل کھیلنا ہے جب تک کھیل جاری رہ سکے اور تم تھک کے

ہمیں یہاں سے جانے دو۔ میں جب چاہتا ہوں اپنی مرضی سے اصول بدل لیتا ہوں کیونکہ تالیہ اور میرے کوئی اصول' کوئی حدود نہیں ہیں۔ ہمیں طاقت اور اہداف نہیں چاہئیں۔ ہمیں صرف اپنی دنیا میں واپس جانا ہے اور جب تم مجھے اپنے سامنے کرسی پہ بٹھانے کے لئے تیار ہو جاؤ گے تو میں تمہیں بتا دوں گا.... کہ میرا اور تالیہ کا کیا تعلق ہے۔"

مراد نچلا لب دانتوں سے دبائے' نفی میں سر ہلاتا الٹے قدموں پیچھے ہٹتا گیا۔

"خدا کی قسم اگر ملکہ کی بات درست ہے تو میں تمہارا کھیل تم پہ الٹ دوں گا۔" وہ الٹے قدموں پیچھے جا رہا تھا۔ سرخ دھواں آہستہ آہستہ چھٹ رہا تھا۔ نیم اندھیر کمرہ صاف دکھائی دینے لگا۔

"میں تم سے نہیں ڈرتا' راجہ۔ تم مجھے کبھی نہیں مارو گے' میں جانتا ہوں۔ اور اب تو بالکل بھی نہیں۔" وہ دیوار سے لگا کھڑا تھا اور ہاتھ سینے پہ لپیٹ لئے تھے۔ آنکھوں میں راجہ کے لیے صرف ترحم تھا۔

"میں تمہیں.... ابھی.... ابھی اسی وقت مار سکتا ہوں۔" وہ بلند آواز میں گرجا۔ غم و غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

سینے پہ بازو لپیٹے کھڑے فاتح نے ابرو اچکائے۔ "اگر تم نے مجھے مار دیا تو تمہاری بیٹی اور تمہارے رشتے کا کیا بنے گا؟ وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ یہی سوچ رہے ہو نا تم اس وقت۔ میں تمہارا ذہن پڑھ سکتا ہوں' بندا ہارا!" سرد سا مسکرایا۔ "اس لئے بہتر ہے کہ مجھے مارنے کی بجائے تم اپنی فکر کرو کیونکہ تمہیں بہت جلد اس سے بڑے جھٹکے ملنے والے ہیں۔ کیونکہ میں کھیل جاری رکھنے کے لیے کھیل رہا ہوں۔"

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" وہ اس پہ غراتا ہوا آگے بڑھا۔ ساتھ ہی بلند آواز میں حکم صادر کیا۔ "اس کا کھانا پانی بند کر دو اور .....اور....." بے بسی سے جیسے وہ بس یہی حکم جاری کر پایا تھا۔ "اور اس کو اتنا مارو کہ یہ خود کو بھی نہ پہچان سکے۔"

سپاہی فوراً سے فاتح کی کوٹھڑی کی طرف لپکے۔ دوسری کوٹھڑیوں کے قیدی بھی کھڑے ہونے لگے۔

مراد راجہ ماتھے پہ بل ڈالے' بازو پیچھے باندھے' لمبے ڈگ بھرتا زینے کی طرف بڑھ گیا۔

سرخ دھند کی جگہ اب سیاہ دھوئیں نے لے لی تھی۔

اس کے اندر کا سارا گوشت جیسے جل گیا تھا اور اب صرف راکھ رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

بندا ہارا کے محل کے داخلی دروازے کے سامنے جو روشن بنی تھی' اس پہ پھولوں کی پتیاں گری پڑی تھیں۔ آج صبح شہزادی تاشہ واپس آئی تھی تو بگھی سے اترتے ہی اس کا استقبال کنیزوں اور خادموں نے بہت محبت سے کیا تھا۔

اس کا کمرہ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کے گئی تھی' البتہ مختلف جگہوں پہ کھونٹیاں لگا کے زرتار کامدار ملبوسات لٹکائے گئے تھے۔ یہ اس

کی شادی کے لئے بنوائے گئے تھے۔ وہ چغہ اتار کے مسہری پہ پھینکتی کینہ توز نظروں سے ان کپڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے جوڑے میں بندھے بال خشک ہو رہے تھے۔ دو دن پرانا سیاہ کرتا پاجامہ پہنے' وہ قدرے بے رونق سی لگ رہی تھی۔ چہرے پہ سفر کی تکان تھی اور آنکھوں میں بے زاری۔

ایک زمانے میں اس کی کتنی خواہش تھی کہ....

کہ وہ کوئی شہزادی ہوتی...

جس کی شادی کسی بادشاہ سے ہوتی...

اور سونے چاندی کے ڈھیر کے ساتھ زرتار عروسی ملبوسات میں اس کو رخصت کیا جاتا۔

اور آج اس نے جانا تھا کہ کچھ خواب پورے ہونے کے لئے نہیں' صرف دل کو خوش کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ فینٹسی۔ ذہن میں بنی کہانیاں۔ ان کو پورا نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ ٹریجڈی بن جاتی ہیں۔

شریفہ ایک دم آندھی طوفان کی طرح اندر بھاگتی ہوئی داخل ہوئی تو تالیہ نے بے زاری سے اسے دیکھا۔ ''ابھی تو ہم سفر سے آئے ہیں....دو گھڑی سانس تو لے لو' شریفہ!''

''شہزادی....شہزادی....'' پھولے تنفس سے اس نے جو بات بتائی' وہ تالیہ مراد کو پتھر کا بت بنا گئی تھی۔

قید خانے میں وہ صلیب کی صورت میں بندھا تھا اور سپاہی اسکی کمر پہ زور زور سے کوڑے مار رہا تھا۔ فاتح نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ اس کے کندھوں اور کمر سے خون بہہ رہا تھا۔ ہر ضرب کے ساتھ دماغ کی چولیں ہل جاتیں۔ اور خون کے ہر قطرے کے ساتھ وہ مناظر یاد آنے لگتے۔

آریانہ سفید لباس میں پہاڑی پہ گری پڑی تھی۔

اس کا لباس خون آلود تھا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں۔

وہ اس کا سر گود میں رکھے رو رہا تھا۔

وہ اپنے ہاتھوں سے مٹی کھود رہا تھا۔

سپاہی اس کی کمر پہ زور زور سے کوڑے برسا رہا تھا اور وہ....وہ آریانہ کی پتھروں سے ڈھکی قبر کے سامنے گم صم بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ آنسوؤں کے نشانات تھے۔

اس کی کمر پہ خون کی دھاریں تھیں۔

جب تالیہ اس گول زینے کو اتر رہی تھی تو اس کے سامنے کوئی سرخ دھند نہ تھی۔صرف خوف تھا۔اور امید تھی۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔چہرہ غم و غصے سے سرخ دہک رہا تھا۔

وہ بھاگتی ہوئی نیچے آئی تھی۔سیاہ کرتے پاجامے میں ملبوس' وہ ننگے پیر دیوانہ وار اس آخری کوٹھڑی کی طرف لپکی۔

چوکھٹ پہ پہنچ کے وہ دھک سے رہ گئی۔

کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا۔چند سپاہی اندر کھڑے تھے۔ایک دیوار سے لگا کھڑا فاتح صلیب کی صورت بندھا تھا۔اس کی گردن بائیں کندھے پہ ڈھلکی ہوئی تھی اور لباس پھٹا ہوا خون آلود تھا۔پیشانی اور سر کے مختلف حصوں سے خون بہہ بہہ کے جسم پہ گر رہا تھا۔کندھے' کمر' بازو....ہر جگہ زخموں کے نشان نظر آتے تھے۔اس کی آنکھیں بند تھیں جیسے بے ہوش ہو' یا کرب سے میچ رکھی ہوں۔

''ہٹو۔چھوڑو اس کو۔میں کہہ رہی ہوں' چھوڑو اس کو۔'' شہزادی تاشہ غراتی ہوئی آگے آئی اور جو سپاہی فاتح کے سر پہ کھڑا ہنٹر فضا میں بلند کیے اسے مارنے ہی لگا تھا' اسے پرے دھکیلا۔سپاہی چونکا' پھر گرتے گرتے سنبھلا اور اس کی طرف دیکھا۔

سامنے وہ بھوکی شیرنی کی طرح کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم اس کو ہاتھ بھی لگاؤ!'' وہ جب اس کو سرخ آنکھوں سے دیکھتی غرائی تھی تو اس کی آواز میں نسوانی پن نہ تھا۔وہ کسی وحشی درندے کی غراہٹ لگتی تھی۔وان فاتح نے اس عجیب آواز پہ آنکھیں ذرا سی کھولیں۔جھری سے نظر آیا۔وہ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑی سپاہی پہ چلا رہی تھی۔

''شہزادی....یہ راجہ کا حکم ہے'اس لئے خدارا آپ یہاں سے جائیے اور ہمیں ہمارا کام کرنے دیں۔'' ہنٹر والا ہاتھ اس نے پیچھے کر کے بصدِ احترام بتایا تو شعلہ بار نظریں اس پہ جمائے چند قدم آگے آئی۔سپاہی نے گردن جھکا دی۔

''میں ملاکہ سلطنت کے بنداہارا مراد راجہ کی بیٹی تاشہ ہوں۔میں....سلطان مرسل شاہ کی ہونے والی بیوی ہوں۔میں ملاکہ سلطنت کی ہونے والی ملکہ ہوں۔جب سلطان مرے گا تو میں اس ملک کی حکمران ہوں گی اور میرے بیٹے تخت سنبھالیں گے۔مراد راجہ ماضی ہو گیا ہے۔ملکہ بنتے ہی سب سے پہلے میں اس کی گردن قلم کرواؤں گی۔اب تم بتاؤ' جرنیل' تمہیں کس کا حکم ماننا ہے؟ ہونے والی ملکہ کا ؟ یا ہونے والے مقتول کا؟'' وہ آنکھوں میں خون لئے اسی غراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔فاتح کی طرف اس کا نیم رخ تھا۔اس نے بدقت دھندلی بصارت سے منظر دیکھنا چاہا۔

سپاہی نے مزید سر جھکا دیا اور ہنٹر زمین پہ پھینک دیا۔دوسرے سپاہی بھی پیچھے ہٹ گئے۔

''میں تمہارے راجہ سے مل کے آتی ہوں۔تب تک اس قیدی کو کھانا کھلاؤ' پانی پلاؤ اور نیا لباس دو۔پھر اس کی مرہم پٹی کرو۔''

اب غراہٹ نہیں تھی مگر آواز ہنوز بھاری تھی۔اس میں شہزادیوں والا ناز و انداز نہیں' ملکہ والا قہر تھا۔پھر وہ فاتح کی طرف گھومی جو

بے حال سا بندھا کھڑا تھا۔ اور ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔

''جب میں واپس آؤں تو مجھے یہ تندرست نظر آنا چاہیے۔ اپنی ملکہ کی بات ماننا سیکھو، جرنیل!''

وان فاتح نے اسے دیکھتے ہوئے زخمی چہرے کے ساتھ ابرو اچکائے۔ (سیریئسلی؟) لب بے آواز ہلائے۔

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ بس اسے بھی ایک خشمگیں نظر سے نوازا اور تیز تیز باہر نکل گئی۔

مراد راجہ باغیچے میں تنہا ٹہل رہا تھا۔ سر پہ قیمتی جواہر سے مزین ٹوپی تھی اور کندھوں پہ سنہری قبا۔ بازو کمر پہ باندھے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''راجہ... مراد راجہ!'' آواز پہ وہ تیزی سے گھوما۔

سامنے سے دوڑتی ہوئی تالیہ آ رہی تھی۔ وہ ملگجے لباس میں تھی اور چہرے پہ سخت طیش چھایا تھا۔

مراد اس کو دیکھ کے یک لخت سن ہو گیا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ قریب آئی اس نے اسے کندھوں سے تھاما۔ ''تالیہ... تم آ گئیں۔''

اس نے سختی سے مراد کے ہاتھ جھٹکے۔

''آپ کو لگتا تھا میں نہیں آؤں گی؟''

''وان فاتح نے کہا تھا کہ تمہارا انجام یہ ہو گا کہ.... (اس کی آواز ٹوٹی) تم سمندری سفر سے نہیں لوٹو گی۔''

''تو کیا آپ وان فاتح سے ہر ایک کا انجام پوچھ رہے تھے؟'' اس کی آواز میں ترشی در آئی۔ ''میرے جاتے ہی آپ نے اسے کھوج نکالا اور پھر قید کر کے یوں تشدد کیا جیسے میں نے کبھی واپس ہی نہیں آنا تھا؟ یہی چاہتے تھے آپ؟''

مراد کے چہرے پہ افسوس ابھرا۔ ''میں کبھی بھی ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے تمہارے پیچھے سپاہی بھیجے تاکہ وہ تمہیں واپس لائیں۔ وہ کل رات کو لوٹ آئے۔ ان کے مطابق تم جنوبی محل نہیں گئی تھیں۔ میں نہیں پوچھوں گا کہ تم کہاں گئیں کیونکہ تم اب واپس آ گئی ہو، یہی بہت ہے۔'' پھر اس کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔ ''تم میری بیٹی ہو، تالیہ۔ تم نے اتنے سال میرے ساتھ سارے کام مل کے کیے ہیں۔ تم جنگل میں میرے ساتھ جاتی تھیں، جب میں 'عبادت' میں مشغول ہوتا تھا تو تم میرے لئے کھانا بناتی تھیں۔'' وہ تاسف سے اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''ہاں تم ایک دم سے.... بڑی ہو گئی ہو... اور میں تمہارے اس.... (اس کی طرف اشارہ کیا) نئے روپ سے سمجھوتہ نہیں کر سکا کیونکہ میرے لئے میری بیٹی وہی چھوٹی سی تھی۔ لیکن 'وقت' تمہیں جتنا بھی بدل دے، وہ میرے دل سے تالیہ کی جگہ کو نہیں بدل سکتا۔''

مگر سامنے کھڑی تالیہ کی پیشانی شکن آلود ہوتی گئی۔ ''اب ان باتوں کا وقت گزر گیا ہے، راجہ۔ یہ باتیں اب مجھ پہ اثر نہیں کرتیں۔ مجھے صرف اتنا بتائیے کہ وان فاتح پہ اتنا ظلم کیوں کیا آپ نے؟''

''کیونکہ اسے کرسی پہ بٹھانے کا وقت نہیں آیا۔'' مراد کے تاثرات تن گئے۔ چہرے پہ برہمی عود آئی۔ ''تم اس کی فکر کرنا چھوڑ دو۔''

''وہ کرسی کا حقدار ہے، راجہ۔ وہ کرسی پہ ہی بیٹھے گا۔ وہ محلوں میں رہنے والا ہے اور محل ہی اس کا مقدر ہیں۔ اس کے سر کے اوپر

سے حکمرانی کا ہما گزرا ہے۔ آپ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“

”تمہارا کیا تعلق ہے اس سے؟“ وہ زیرِ لب آہستہ سے بولا۔ تیز شکاری نظریں تالیہ کے چہرے پہ جمی تھیں۔

”جب اس کو کرسی پیش کریں گے تو وہ بتا دے گا۔ لیکن ابھی کے لئے‘ آپ اس کو جانے دیں۔ ورنہ میں سپاہیوں سے کہوں گی‘ اور وہ اسے جانے دیں گے۔“

”میری پیاری شہزادی!“ وہ طنز سے مسکرایا۔ ”سپاہی میرے ہیں اور میرا حکم مانتے ہیں۔ کل میں نے ان سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ اسے تب تک مارو جب تک تاشہ نہ آ جائے اور اگر وہ کہے کہ مت مارو تو ہاتھ روک دینا‘ لیکن اگر وہ کہے کہ اسے چھوڑ دو تو اپنی تلواریں شہزادی تاشہ کے اوپر تان لینا۔ وہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے گی۔“

کاٹ دار لہجے میں بولتا وہ بالکل اجنبی ہو گیا تھا۔

تالیہ کے اکڑے کندھے ڈھیلے پڑنے لگے۔

”بابا...“ اس کے لب پھڑپھڑائے۔

”بابا کہنے کا وقت بھی گزر چکا ہے۔ مجھ پہ اب یہ الفاظ اثر نہیں کرتے۔ چند ثانیے پہلے تک میں شک میں تھا کہ ملکہ کی بات غلط ہو گی لیکن تمہارا انداز سب عیاں کر چکا ہے۔“ وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔ ”تم مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہو‘ باپ نہیں۔ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ تم اکیلی آئی ہو۔ تم نے اپنی شادی کو چھپایا۔ تم نے سلطان کے سامنے مجھے مجرم بنا دیا۔ وان فاتح درست کہتا تھا۔ تم اپنی دنیا میں ایماندار نہیں تھیں۔ مجھے تم سے ایمانداری کی توقع نہیں کرنا چاہیے تھی۔“

وہ بس چپ کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

”میں تمہیں ملاکہ کی سلطنت دینے جا رہا تھا اور تم نے اپنی اس دنیا کو ترجیح دی جہاں تم اپنی محنت سے دو آنے تک نہیں کما سکتی تھیں۔ کیا ہو تم اس دنیا میں؟ یہ جو یہاں تمہاری آواز میں غراہٹ در آتی ہے نا‘ یہ اس دنیا میں نہیں ہو گی۔ کیونکہ یہاں تمہارے پاس طاقت ہے اور طاقت جیسا اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تم اپنی دنیا میں واپس چلی گئیں تو دیوانی ہو جاؤ گی‘ پاگل ہو جاؤ گی کیونکہ وہاں تم شہزادی نہیں ہو گی۔ اس لئے قدر کرو اس سلطنت کی جو تمہاری ہونے والی ہے۔ ابھی بھی وقت ہے تالیہ‘ ملکہ کے الزامات کو رد کر دو اور کہہ دو کہ تم نے اس (دانت پیسے) اس غلام سے نکاح نہیں کر رکھا۔ خدا کی قسم میں تمہیں بچا لوں گا۔“

تالیہ بس سپاٹ نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

”سوچ لو تالیہ! میں آخری بار کہہ رہا ہوں!“

”اس کو کرسی پیش کریں‘ راجہ۔ اس سے پوچھیں کہ وہ کیا چاہتا ہے تو وہ بتا دے گا۔ اور یہ آپ کی بھول ہے کہ آپ اسے قید میں

زیادہ دیر رکھ سکتے ہیں۔ اگر میں اسے نہیں آزاد کروا سکتی تو کوئی ہے جس کے پاس مجھ سے زیادہ طاقت ہے۔ اور جس دن اس کو اپنی طاقت کا علم ہوا' وہ اسے آزاد کروالے گا۔"

مراد راجہ کے ابرو بھنچ گئے۔ "کون؟"

"آپ جلد جان جائیں گے۔" وہ تنفر سے کہتی ایک آخری نظر اس پہ ڈالتی پلٹ گئی۔ یقیناً اسے قیدی کے پاس جانے کی جلدی تھی۔

مراد نے ایک خشمگیں نگاہ اس پہ ڈالی اور پلٹ گیا۔ اس کا رخ اپنی تیار سواری کی طرف تھا۔ اسے بھی کسی سے ملنے کی جلدی تھی۔

دھند کا جالا بنتی سرخ مکڑی اس نے ذہن سے نکال کے دور پھینک دی تھی۔

☆......☆......☆

قید خانے کا ماحول اب قدرے مختلف تھا۔ فضا سے تناؤ' خوف اور وحشت چھٹ چکی تھی۔ اب وہاں صرف خاموشی تھی۔

وان فاتح کی کوٹھڑی کا دروازہ بدستور کھلا تھا۔ اس کے پیر سے لگی زنجیر ویسی ہی تھی' مگر لباس بدل چکا تھا۔ خاکی رنگ کا صاف پاجامہ اور اوپر بنا آستین کی جیکٹ نما شے پہن رکھی تھی۔ کمر پہ پٹیاں بندھی تھیں اور سامنے کھلے سینے پہ بھی کئی جگہ مرہم لگے تھے۔ وہ اکڑوں بیٹھا تھا اور دیوار سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ چہرہ اب صاف تھا' مگر خون آلود کٹ دکھائی دیتے تھے۔

ایک خادم اس کے برہنہ بازو کے زخم کو دیکھ رہا تھا' دوسرا دوا کا تھال لئے سر پہ کھڑا تھا۔

"تم لوگ جاؤ' میں دیکھ لوں گی۔" آواز کے ساتھ نسوانی جوتی کی قریب آتی آہٹ سنائی دی تو فاتح نے آنکھیں کھولیں۔ کوٹھڑی کے کھلے دروازے میں وہ نظر آئی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکیں۔ دھندلا منظر ذرا واضح ہوا۔

وہ بھورے باجو کرنگ میں ملبوس' سر پہ دوپٹہ لپیٹے' سادہ مگر خوبصورت کنیز لگ رہی تھی۔ سپاٹ چہرے کے ساتھ قریب آئی اور روئی خادم کے ہاتھ سے لی۔ پھر فاتح کے ساتھ دوزانو ہو کے بیٹھی۔

"یہ تھال یہیں رکھ دو اور جاؤ۔ مجھے دوسری دفعہ نہ کہنا پڑے۔" انداز حتمی تھا۔

خادم تعظیم بجالائے اور باہر نکل گئے۔ دروازہ کھلا رہ گیا۔

تالیہ نے روئی تھال میں پڑے پیالے میں ڈبوئی' اس پہ پانی جیسا مائع لگ گیا اور پھر اس کے بازو کے اوپری حصے تک لائی۔ وہ جواد ھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا' کندھا پیچھے کیا۔ تالیہ نے محض سیاہ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"مجھے زخم کو دیکھنے دیں۔" انگریزی میں زیرِ لب بولی۔ گویا منت کی۔

"تمہیں زخموں کا کیا پتہ؟"

"سنگاپور کی ایک امیر بیوہ کو لوٹا تھا میں نے۔ اس کی نرس بن کے گئی تھی۔ وہ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوئی تھی۔" اس نے فاتح کے

بازو کو دیکھتے اب بھیگی روئی زخم پہ رکھی تو اس نے (سس) کر کے آنکھیں موندیں۔

''کیا چرایا تھا اس سے؟''

''زیور۔ اور کچھ نقدی۔ مگر جتنی خدمت اس کی میں نے کی' وہ میرا حق بنتا تھا۔ اس لئے تھوڑا بہت یہ کام آتا ہے مجھے۔''

''وقت کے اس پار زخموں کی دیکھ بھال کے طریقے مختلف ہوتے ہیں' حالم!''

وہ جو روئی سے آہستہ آہستہ زخم صاف کر رہی تھی' بے اختیار ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگی۔

''اتنے دن بعد میرا یہ نام کیسے یاد آیا آپ کو' تو انکو؟''

''جیسے تمہیں اتنے دن بعد اپنا پرانا کام یاد آیا۔'' وہ ماتھے پہ شکنیں لئے' آنکھیں میچے ہوئے تھا۔ بازو پہ سرخ لکیروں کی صورت لمبے لمبے کٹ پڑے تھے۔ تالیہ آہستہ آہستہ بھیگی روئی سے ان کو صاف کرنے لگی۔

''آپ تو کہتے تھے آپ کسی سے نہیں ڈرتے۔ راجہ کے سامنے کھڑے ہونے کے لئے تیار ہیں۔ اب ان زخموں سے تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟''

فاتح نے آنکھیں کھول کے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا۔

''تکلیف تو سب کو ہوتی ہے۔''

''ڈر بھی سب کو لگتا ہے اور کسی کا ساتھ بھی سب کو ہی چاہیے ہوتا ہے۔ آپ بھی جتنے بہادر اور مضبوط بن جائیں' فاتح صاحب' فطری جذبات سے نہیں بھاگ سکتے آپ!'' وہ پلکیں زخم پہ جھکائے کہہ رہی تھی۔ وہ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''تم جلدی آ گئیں۔ حالانکہ تمہیں ادھر رہنا تھا اور ایڈم کو واپس آنا تھا۔''

''آپ کو میری ضرورت تھی۔ اسی لئے آ گئی۔'' فاتح نے ہلکا سا سر جھٹکا مگر پھر بات بدل دی۔

''جزیرہ مل گیا تھا؟''

''اور سونا بھی۔ ایڈم وہ سب ساتھ لے کر ہی آئے گا۔'' وہ اب دھیمی آواز میں تفصیلات بتا رہی تھی۔

''گڈ۔ ہر چیز پلان کے مطابق جا رہی ہے۔''

''سوائے آپ کی گرفتاری اور اس قید کے۔'' اس نے روئی رکھی اور مرہم سے بھرا پیالہ اٹھایا۔ پھر انگلی اس میں ڈبوئی اور کندھے پہ دوا لگانا شروع کی۔ ٹھنڈے مرہم کے زخم پہ لگتے ہی وہ (سس) کراہا مگر ضبط کر گیا۔

''تو تم آ گئی ہو نا۔ مجھے چھڑوا لو گی۔''

''نہیں۔ راجہ کو ملکہ نے ہمارے نکاح کا بتا دیا ہے' وہ اب آپ سے کسی قسم کی رعایت نہیں برتے گا۔ سپاہی میرا حکم نہیں مانیں گے۔''

''پھر؟''اس نے تشویش سے ابرو اٹھائے۔''آخری مرحلے کے لئے میرا آزاد ہونا ضروری تھا۔''

''تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔پلان اے ناکام ہو جائے تو پلان سی ہے نا۔''

''اور پلان بی کا کیا؟''

''تالیہ کے پلانز ہیں۔تالیہ کی مرضی!''وہ توجہ سے دھیرے دھیرے دوا لیپ رہی تھی۔

کوٹھڑی میں خاموشی چھا گئی۔باہر کون سا پہر ہوا تھا' اندر ہمیشہ اندھیرا ہوتا تھا۔ایسے میں دیوار پہ نصب مشعلوں کے شعلے مدھم روشنی بکھیرے ہوئے تھے۔

اس کے ہاتھ پہ بھی ضرب لگی تھی اور ہتھیلی کے اندر کی طرف بڑا سا کٹ لگا تھا۔تالیہ نے اس کی ہتھیلی اپنے ایک ہاتھ پہ پھیلائی' اور پھر بھیگی روئی سے ہتھیلی پہ لگی خون کی لکیر صاف کی۔

''تم واپس جا کے کیا کرو گی؟''وہ اس کی جھکی پلکیں دیکھ کے پوچھنے لگا تو انداز نرم تھا۔

تالیہ نے چہرہ نہیں اٹھایا۔بس مگن انداز میں اس کی ہتھیلی سے خون کے دھبے صاف کرتے ہوئے بولی۔''میں اپنی وہ دولت جس کو میں نے محنت سے نہیں کمایا....''

''یعنی ساری دولت....''

''....اس کو میں اپنے پاس نہیں رکھوں گی۔فارغ وقت میں پینٹنگز بناؤں گی۔جائز کمائی کروں گی' اور خوش رہوں گی۔شاید کسی دوسرے ملک چلی جاؤں۔آپ تو ظاہر ہے جاتے ساتھ ہی مجھے چھوڑ دیں گے۔''

''ہاں' ظاہر ہے۔''اس نے عام سے انداز میں کہا۔تالیہ کے ہاتھ لمحے بھر کو بھی نہیں تھمے۔وہ زخم صاف کرتی رہی۔

بس اس وقت اس کو کمزور نہیں پڑنا تھا۔اس تعلق پہ رونے کے لیے عمر پڑی تھی۔

''آپ کیا کریں گے؟''

''میں واپس جا کے ایک دنیا کو وضاحت دیتا رہوں گا کہ یہ چار ماہ میں نے کہاں گزارے۔''اس نے جھرجھری لی۔

''چار ماہ!''تالیہ نے گہری سانس لی۔''چار ماہ بیت گئے! لیکن....''وہ چونکی۔''اگر وقت رک گیا ہو تو؟''

''اور اگر نہ رکا ہو تو؟ ہمیں ہر شے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔سس۔''وہ ہاتھ پہ دوا لگا رہی تھی اس لئے اس کے لبوں سے سسکاری نکلی۔آنکھیں بھی تکلیف سے میچیں۔تالیہ نے رک کے اسے دیکھا۔''ایک بات پوچھوں۔''اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے بولی۔''آپ کا والٹ کہاں گیا؟''

''موبائل' والٹ' جوتے' ہر چیز جنگل میں کھو گئی تھی جب ہمیں گرفتار کیا گیا تھا۔''

''آپ کا والٹ میرے پاس ہے۔ گر گیا تھا تو میں نے اٹھا لیا۔ دینا بھول گئی۔''

وہ چونکا' پھر اسے دیکھ کے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

''اور تمہیں تو بھول کے چیزیں اٹھانے کی بہت عادت ہے۔''

اس نے مسکراہٹ دبا کے شانے اچکائے۔ پھر دوا کا پیالہ رکھ دیا اور پٹی اٹھالی۔

''اس کے اندر ایک زپ لاک بیگ میں مکئی کے چند دانے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے پرانے پاپ کارن۔ آپ نے انہیں کیوں رکھا ہوا ہے سنبھال کے؟'' وہ اب پٹی اس کے ہاتھ پہ باندھ رہی تھی۔ جواب نہیں آیا تو سر جھکائے کام کرتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے' نہ بتائیں۔ ویسے بھی میں ہوں تو آپ کی بس ایک ادنیٰ سی کارکن۔ تالیہ دی فین گرل۔ اس لئے....''

''وہ آریانہ کے تھے۔'' تالیہ نے چونک کے سر اٹھایا۔ پٹی کا بل دیتے ہاتھ وہیں تھم گئے۔

وہ اسی کو دیکھ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آواز بھی دھیمی ہو گئی تھی۔

''جس دن آریانہ کھوئی تھی' وہ انہیں کھا رہی تھی۔ جب میں اس کی تلاش میں پہاڑیوں کی طرف دوڑا تو مجھے وہ نظر آئے تھے۔ وہ اغوا کاروں کی نشاندہی کے لئے پاپ کارن گراتی گئی تھی تاکہ ہم ان کی مدد سے اسے تلاش کر لیں۔''

''اسے فیری ٹیلز پسند تھیں!'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ پھر چونکی۔ ''لیکن آپ نے تو پریس میں کہا تھا کہ آریانہ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ سب کو ہی معلوم ہے کہ اسے صوفیہ رحمٰن نے اغوا کروا کے غائب کر دیا تھا۔ مسز عصرہ تو ٹی وی پہ برملا کہتی ہیں کہ ان کی بیٹی کسی اچھے گھرانے کو ہی ملی ہو گی کیونکہ ان کو واپس نہیں ملی مگر....'' اس کی آنکھیں وان فاتح کی زخمی آنکھوں پہ ٹھہر گئیں۔ ''مگر.... کیا آپ کو پاپ کارن ملے تھے؟''

وہ خاموش رہا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ پلک تک نہ جھپک پا رہی تھی۔

''تو انکو.... آپ کو.... وہ مل گئی تھی' ہے نا؟'' اس کو اپنی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ فاتح نے ہلکا سا سر کو خم دیا۔

''وہ جہاں مجھے ملی تھی' اس کے پاس سے مجھے یہ پاپ کارن ملے تھے۔ کچھ کو میں نے سنبھال لیا۔ کچھ مجھ سے کھو گئے۔''

''اور آریانہ؟'' اس کا سانس اٹکا ہوا تھا۔ ''آپ کی بیٹی؟''

''وہ مر چکی تھی' تالیہ۔ میں نے اسے وہیں دفنا دیا اور میں واپس چلا آیا۔'' وہ گہری سانس لے کر بولا اور وہ اگلا سانس نہیں لے سکی۔

''مسز عصرہ کو معلوم ہے؟'' بہت دیر بعد وہ بول پائی۔

''میں نہیں بتا سکا اسے۔''

''مگر کیوں؟'' وہ دنگ رہ گئی۔

"مجھے جو درست لگا' میں نے وہ کیا۔ اس وقت میں اپنی بیٹی کی موت کو سیاسی ایشو نہیں بنا سکتا تھا۔ ہم خاندان کو سیاست سے الگ رکھنے والے لوگ ہیں۔ بہت سے لوگ خود ہی سمجھ گئے کہ وہ زندہ نہیں ہوگی۔" وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

"نہیں۔ مسز عصرہ کو نہیں معلوم تو کسی کو نہیں معلوم۔ آپ ان کو تو بتا سکتے تھے۔"

"کیسے بتاتا؟ اور اگر بتاتا تو وہ لاش دیکھنے کی ضد کرتی۔ میں اپنی آریانہ کی وہ حالت کسی کو نہیں دکھا سکتا تھا۔" اس کی آواز تیز ہوئی۔ "اور عصرہ بالکل ٹوٹ جاتی۔ اس لئے میں نے اس کو ایک امید تھما دی۔ کم از کم وہ Stable تو رہے گی۔ اسے سکون تو رہے گا۔"

"ماں کو سکون کیسے آ سکتا ہے بھلا؟ آپ کو انہیں بتانا چاہیے تھا۔ مر جانے والے کا سکون کھو جانے والے سے جلدی آ جاتا ہے۔" وہ شکوہ کرنے لگی۔ پٹی لپیٹتے ہاتھ وہیں اس کے ہاتھ کے اوپر ٹھہرے ہوئے تھے۔

"عصرہ کو نہ آتا۔ وہ ایک مثبت عورت نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ منفی رہتی ہے۔ میں اس کو مزید منفی پن سے بچانا چاہتا تھا۔"

"یا شاید آپ کو یہ ڈر تھا کہ وہ آپ کو الزام دیں گی۔ کیونکہ آپ کی سیاست نے یہ دن دکھایا تھا۔ اسی لئے اس روز پارٹی پہ وہ مجھے کہہ رہی تھیں کہ (اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ چار ماہ پہلے کی شام بدقت یاد آئی۔) کہ آریانہ کے بعد انہوں نے سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دیا۔ لیکن اگر آپ نے پہلے نہیں بتایا تو اب بتا دیں۔"

"کبھی بھی نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ آنکھوں سے وہ چیز چلی گئی اور پہلے جیسی سنجیدگی واپس چھا گئی۔ "ہماری شادی پہلے ہی بہت پیچیدہ ہو چکی ہے' میں اس میں مزید پیچیدگیاں نہیں بھر سکتا۔"

"آپ کی شادی پیچیدہ ہے؟" وہ چونکی۔ "کیا آپ دونوں کے درمیان مسئلے چل رہے ہیں؟"

"اس بات کو جانے دو۔ اور ہاں...." اس نے بات بدلی۔ "میں نے تمہارے بابا کو بتایا تھا کہ تم اس دنیا میں چور تھیں۔ اور مجھے وہ سب کہتے ہوئے اچھا نہیں لگا۔"

"مگر وہ پلان کا حصہ تھا۔ میں نے خود ہی آپ سے کہا تھا کہ ان کو بتا دیجئے گا تا کہ وہ آپ پہ بھروسہ کریں۔"

"لیکن تم.... اپنے باپ سے اپنا معاملہ درست کر لو تو اچھا ہوگا۔"

"اس کا وقت گزر چکا۔" وہ بات کاٹ کے بولی۔ "ویسے بھی ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا اگر میں کسی سمندری سفر پہ جا کے کبھی واپس نہ آؤں۔" پھر وہ ہلکا سا ہنسی۔ "یہ جھوٹ کیوں بولا آپ نے میرے انجام کے بارے میں؟" وہ پٹی لپیٹ کے گرہ دیتے ہوئے بولی۔ "ایسی بے کار بات کہنے کی کیا ضرورت تھی؟"

وہ خاموشی سے اس کی جھکی نظریں دیکھے گیا' پھر نگاہیں پھیر لیں۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

"تم مجھے یہاں سے نکالنے کی فکر کرو۔ باقی باتیں چھوڑو۔" موضوع بدل دیا تو اس نے مسکرا کے پٹی کی گرہ لگائی اور تھال سے

رومال اٹھا کے ہاتھ پونچھے۔

''جیسا کہ میں نے کہا....تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ مدھم روشنی میں بھی اس کی چمکتی آنکھیں واضح دکھائی دیتی تھیں۔

فاتح نے بس مسکرا کے اسے دیکھا۔ زخمی قیدی کے جسم پہ جا بجا پٹیاں بندھی تھیں اور رنگت زرد ہو رہی تھی لیکن پھر بھی وہ مسکرا رہا تھا۔

☆......☆......☆

ابوالخیر کی حویلی کے احاطے میں غلام معمول کے مطابق کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ سامان کندھوں پہ اٹھائے سوکھے سڑے نقاہت زدہ اجسام کے مالک غلام ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ پھر سے کوئی تعمیراتی کام شروع تھا اور وہ جانوروں کی مانند مشقت میں لگے تھے۔ حویلی کے اندر دیوان خانے میں بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جن کے پردے ہٹے تھے اور خوب ساری روشنی اندر آ رہی تھی۔ سامنے خوبصورت مسہریاں رکھی تھیں جن میں سے ایک پہ ابوالخیر بیٹھا غور سے سامنے براجمان مراد راجہ کو دیکھ رہا تھا۔

مراد بظاہر پرسکون نظر آتا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' روشن کھڑکیوں کو دیکھتے ہوئے مسلسل ناخن سے تھوڑی کو رگڑتا ہوا.... مگر جب سے وہ آیا تھا فضا میں ایسا تناؤ گھل گیا تھا کہ ابوالخیر کو بھی اب تجسس ہونے لگا تھا۔

''راجہ....سب ٹھیک تو ہے نا؟''

''بندہ بار بار تمہارے مہمان خانے پہ آیا ہے تو ظاہر ہے سب ٹھیک نہیں ہے۔'' مراد نے ابرو بھینچ لئے اور ناخوشی کے عالم میں کہنے لگا۔

''عجیب مشکلات آن پڑی ہیں۔''

ابوالخیر آگے کو ہوا۔ چہرے پہ تشویش ابھری۔

''راجہ....آپ ہر مشکل میں مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔ بتایئے۔ کیا بات ہے۔''

''میں نے تمہیں جب وزیرِ خزانہ بنوایا تھا اور ملاکہ میں امان دی تھی حالانکہ تم پچھلے سلطان کے حامی تھے تو میں نے ایک عہد لیا تھا تم سے۔''

''مجھے یاد ہے' راجہ۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر میں سلطان سے زیادہ آپ کا وفادار ہو جاؤں تو وقت آنے پہ آپ سلطان سے زیادہ مجھ سے وفا نبھائیں گے۔''

''اور وہ وقت آ گیا ہے' ابوالخیر۔'' مراد بھی آگے کو جھکا اور آواز دھیمی کی۔ ''ہمیں مرسل شاہ کا تخت الٹنا ہے۔''

کمرے میں ایک دم گھنا سناٹا چھا گیا۔ ابوالخیر نے بے یقینی سے ابرو اٹھایا۔ ''لیکن مرسل شاہ تو ہماری مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔''

''کبھی تاریخ کی کتابیں پڑھو تو جانو گے کہ دنیا کے عظیم حکمران ....جو شاطر سے شاطر دشمن کے سامنے بھی سیسہ پلائی دیوار بن جاتے تھے....جن کے پہاڑ جیسے ارادوں سے مکار دشمن مات کھا جاتا تھا....اپنی ساری عقل و سمجھ کے باوجود....ایک وقت آتا تھا جب وہ کسی عورت کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے تھے۔عورتوں کے فریب سے کسی کو پناہ نہیں' ابوالخیر۔ملکہ یان سوفو اور شہزادی تاشہ....یہ دونوں مرسل شاہ کو اپنے اپنے فریب میں الجھا کے اسے ہمارے لئے ناکارہ بنا رہی ہیں۔''

''لیکن شہزادی کی تو شادی ہونے والی ہے سلطان سے۔'' وہ متعجب ہوا۔

''اور اگر نہ ہوسکی تو مرسل میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔ایسی صورت میں تم میری مدد کرو گے۔''

''میں آپ کے ساتھ ہوں' راجہ! لیکن....'' وہ رکا اور سوچنے والے انداز میں داڑھی کھجائی۔

''لیکن مجھے کیا ملے گا' راجہ؟ میری آپ سے وفاداری کا انعام؟''

مراد راجہ اٹھا' اور قبا کو ہلکا سا جھٹکا دے کے درست کیا۔''جس دن میں سلطان بنا' تم میرے بنداہارا ہو گے! اور وہ دن بہت سا خون بہانے کا دن ہوگا۔''

ابوالخیر زیرِلب مسکرایا اور ساتھ ہی کھڑا ہوا۔''میں آپ کے ساتھ ہوں' راجہ۔بہت سے صوبوں کے گورنر بھی میرے ساتھ ہوں گے۔آپ جب حکم دیں گے' ساری فوجیں آپ کے ساتھ آ کھڑی ہوں گی۔''

اب وہ دونوں کھڑکی سے آتی روشنی کے ہالے میں کھڑے تھے۔

تیز چمکتی دھوپ کا ہالہ جو جہنم کی آگ جیسا دہک رہا تھا۔

☆......☆......☆

وانگ لی کا قہوہ خانہ ''جیا'' اس دوپہر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔وسیع ہال کمرے میں کرسیاں میزیں اور فرشی نشستیں لگی تھیں اور غلام بیٹھے کھانا کھانے میں مشغول تھے۔وہ باتیں کرنے کی بجائے تیز تیز نوالے منہ میں ڈال رہے تھے۔

تبھی قہوہ خانے کا دروازہ کھلا تو چوکھٹ سے بہت سی روشنی اندر آئی۔چند ایک لوگوں نے سر اٹھا کے دیکھا تو وہاں چغہ پہنے' سر پہ ٹوپی جمائے ہیولہ سا نظر آیا۔چونکہ وہ دھوپ میں کھڑا تھا' اس لئے اس کا چہرہ واضح نہ تھا۔

پھر وہ شخص آگے بڑھنے لگا۔میزوں کی قطار کے درمیانی راستے پہ قدم قدم چلنے لگا۔چال سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کوئی نسوانی وجود ہے۔

بہت سی گردنیں مڑیں مگر وہ سیدھ میں چلتی آگے آئی۔اور اس اونچے چبوترے پہ جا کھڑی ہوئی جہاں کبھی وان فاتح کھڑا ہو کے اپنی قوم کے لوگوں کو پکارا کرتا تھا۔

''کیا تم لوگوں نے اس شخص کو بھلا دیا ہے جو تمہیں اپنے لئے کھڑا ہونے کی تلقین کرتا تھا؟'' چغے کی ٹوپی پیچھے گرائی تو سنہری بالوں کے ہالے میں دمکتا چہرہ سامنے آیا۔ ماتھے پہ بل تھے اور سیاہ آنکھیں ایک سے دوسرے کی طرف سفر کر رہی تھیں۔

لوگوں کی چہ مگوئیاں دم توڑ گئیں۔ سکوت سا چھا گیا۔ نوالوں والے ہاتھ فضا میں رک گئے۔ نظریں چبوترے پہ کھڑی چغہ پوش سنہرے بالوں والی لڑکی پہ جم گئیں۔

''کیا تمہیں وہ بہادر غلام یاد ہے جو کسی انسان سے نفع نقصان کی امید نہیں رکھتا تھا؟ نہ وہ کسی سے ڈرتا تھا۔''

وہ ماتھے پہ بل ڈالے کہہ رہی تھی اور لوگ یک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔

(تین چاند والے جزیرے کے ساحل پہ ایڈم اور سارے سپاہی اب گروہ کی صورت بیٹھے تھے۔ سب کی نگاہیں بار بار سمندر سے خالی لوٹ آتیں تو بے اختیار ایڈم کی طرف اٹھتیں جو بہت امید سے پانی کو دیکھ رہا تھا۔)

''وہ دلیر غلام تمہارے حق کے لئے آواز اٹھانے بنداہارا کے پاس گیا تھا۔ اس نے بنداہارا سے کہا کہ مسلمان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا اس لیے وہ تمام ناجائز غلاموں کو آزاد کر دے۔''

(مراد راجہ اور ابوالخیر ایک نیم روشن کمرے میں میز کے گرد کھڑے تھے۔ میز کی سطح پہ زرد کاغذ والا نقشہ پھیلا رکھا تھا۔ مراد انگلی جگہ جگہ رکھے نئی حکمت عملی سے اسے آگاہ کر رہا تھا۔)

''اور جانتے ہو اس کے ساتھ کیا ہوا؟ اس کو مراد راجہ نے قید کر دیا۔ اور اس کو اتنا مارا کہ اس کی ہر رگ سے خون بہنے لگا۔''

(وان فاتح خاموش اندھیر کوٹھڑی میں دیوار سے لگا بیٹھا' دیوار پہ لگی لکیروں کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے پہریدار کو آواز دے کر وقت پوچھا۔ جواب ملنے پہ اس نے ناخن سے ایک لکیر مزید کھینچی۔ وقت قریب آ پہنچا تھا۔)

''اب تم لوگ مفت کی وہ روٹی توڑ رہے ہو جو اس کی وجہ سے تمہیں ملی تھی۔ کیا تم نے اس کو ایک دفعہ بھی یاد نہیں کیا جو تمہارے لئے اپنی جان خطرے میں ڈال بیٹھا ہے؟''

(غلام اور کنیزیں سلطنت محل کے ایک حصے کو از سرِ نو سجانے میں مشغول تھے۔ اپنے خاص مشیروں کے ہمراہ سلطان مرسل راہداری میں گھومتا' کمر پہ بازو باندھے' خوش باش سا تیاریوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ حرم شہزادی تاشہ کے لئے آراستہ کیا جا رہا تھا۔)

''اگر وہ مر گیا تو کون تمہارے لئے دوبارہ کھڑا ہوگا؟ کون تمہارے لئے لڑے گا؟ ملاکہ کے لوگو.... تم کب تک اپنے مالکوں سے ڈرتے رہو گے؟'' چغہ پوش لڑکی تکلیف سے کہہ رہی تھی اور سب دم سادھے اس کو سن رہے تھے۔

(ساحل کی ریت پہ تھکے تھکے بیٹھے جرنیل نے شکایتی انداز میں ایڈم کو کچھ کہا مگر ایڈم جواب دینے کی بجائے ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ پانی کو دیکھ رہا تھا۔ ان سب نے بھی چونک کے اس طرف دیکھا۔ دور سمندر پہ ایک بحری جہاز کے خدوخال دکھائی دیے تھے۔)

''کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم اپنے خوف دور کر دو اور اس انسان کے لئے کھڑے ہو جاؤ جس کو تمہاری ضرورت ہے؟''

(ساحل پہ موجود سپاہیوں نے جھٹ سے لکڑیوں کو آگ لگا دی۔ شعلے جل اٹھے۔ ڈھلتی شام میں اس جہاز کو اشارہ دیا جانے لگا۔ خود ایڈم سرخ رومال ہاتھ میں لیے لہرانے لگا۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ ملکہ نے وعدہ پورا کیا تھا۔ چینی بحری جہاز پہنچ چکا تھا۔)

''کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ ہوتا ہے؟ کیا اپنا خیال رکھنے والے ساتھی کے لئے تم کوشش نہیں کر سکتے؟''

(جیا سے غلام نکل کے اپنے مالکوں کی حویلیوں کی طرف نہیں گئے تھے۔ وہ جوق در جوق بازاروں میں جا کے کھڑے ہو گئے تھے۔ سر ایک دوسرے کے قریب جوڑے وہ سرگوشیاں کر رہے تھے۔)

''کیا تم اس کے لئے کچھ نہیں کرو گے؟ کیا تم اس کے لئے ویسے جان نہیں مارو گے جیسے اس نے تمہارے لئے ماری؟ کیسے دوست ہو تم لوگ؟''

(غلاموں کی سرگوشیوں نے قدیم ملاکہ کی فضا میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ مفلوک الحال' چیتھڑوں میں ملبوس جھلسی ہوئی جلد اور سخت چہروں والے غلام دھیرے دھیرے دور دور سے اکٹھے ہو رہے تھے۔)

''دوستوں کے لئے تو جان تک دے دی جاتی ہے۔ اگر مشکل میں ایک دوسرے کے لئے وقت ہی نہیں نکالنا تو پھر کیسے دوست ہوئے تم؟''

(بنداہارا کا محل کی پہاڑی پہ واقع تھا اور سامنے سڑک تھی جو اونچی ہو کے محل تک جاتی تھی۔ سڑک کے نشیب میں دھیرے دھیرے لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ مگر وہ 'لوگ' نہیں تھے۔ وہ غلام تھے۔ مضبوط جسموں والے سخت جان غلام۔)

''اپنے کن مالکوں سے ڈرتے ہو تم؟ ان سے جنہوں نے تمہیں بھوک اور ظلم تلے پیس کے رکھا ہوا ہے؟ مسلمان ہونے کے باوجود غلام بنا رکھا ہے؟ جانتے ہو نا' مسلمان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ صرف غیر مسلم جنگی قیدی غلام بنتے ہیں۔''

(بنداہارا کے محل کے سامنے جمع لوگوں کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ان کے لب خاموش تھے۔ ان کی آنکھیں شکایتی تھیں۔ وہ بس چاروں سمت سے آتے اس مقام پہ بیٹھ رہے تھے جہاں سے سڑک اونچی ہو کے محل تک جاتی تھی۔ سپاہی مستعد ہو گئے مگر قدرے الجھ بھی گئے۔ سامنے سڑک پہ بیٹھے بے ضرر لوگوں پہ وہ حملہ کرتے بھی تو کیسے؟)

''اگر آج تم اپنے ساتھی کے لئے نہیں کھڑے ہوئے تو کل کو تم میں سے ایک ایک کو مراد راجہ اٹھا کے اپنے قید خانے میں ڈال دے گا۔ ڈرو اس وقت سے۔''

(غلام کسی کو کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ وہ بس زمین پہ اکڑوں بیٹھے' گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے' خاموش نظروں سے اوپر محل کو دیکھ رہے تھے۔)

''اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کرو اور وان فاتح کے لئے آواز بلند کرو۔ میں مراد راجہ کی بیٹی تاشہ بنتِ مراد ہوں اور میں وعدہ کرتی ہوں

کہ تمہیں کوئی سپاہی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

(مراد راجہ نے کھڑکی سے ان غلاموں کو وہاں بیٹھے دیکھا۔ ہر پل ان کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ جیا میں جس غلام نے ایک دفعہ بھی مفت کھانا کھایا تھا' وہ وان فاتح کے لئے ادھر آ کے بیٹھ گیا تھا۔)

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے مالک بھی تمہیں نقصان نہیں دے سکیں گے۔ کیونکہ تم حق کے ساتھ ہو۔ حق کے لئے کھڑے ہونے والوں کا ساتھ ہمارا رب تعالیٰ دیتا ہے۔"

(سپاہی بے بسی سے کبھی دور بیٹھے اس خاموش ہجوم کو دیکھتے' کبھی گردنیں اوپر کر کے کھڑکی میں کھڑے راجہ کو جس کا چہرہ سرخ دہک رہا تھا۔ سپاہیوں کے ہاتھ میان پہ تھے مگر دونوں اطراف سے کوئی بھی حملے کا عندیہ نہیں دے رہا تھا۔ عجیب ہیجان سا ہیجان تھا۔)

"کیونکہ اگر آج تم نے مراد راجہ سے اس ظلم کا حساب نہ لیا تو اس کا ہاتھ نہیں رکے گا۔ خود کو کمزور سمجھنا چھوڑ دو۔"

(وہ مظلوم' کمزور لوگ چپ چاپ بیٹھے اوپر محل کی کھڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں نہ نفرت تھی' نہ غصہ' نہ انتقام کی آگ۔ صرف شکوہ تھا۔ وہ بلی جیسی معصوم شا کی آنکھیں تھیں جو مراد راجہ کی کھڑکیوں پہ لگی تھیں۔ اس نے زور سے کھڑکی کے پردے بند کیے اور مڑا تو پیچھے تالیہ کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہ سب تھا جو غلاموں کی آنکھوں میں نہ تھا۔)

"تم کمزور نہیں ہو۔ تم اس شہر کے سب سے طاقتور لوگ ہو۔ تمہیں اٹھنا ہے اپنے ساتھی کے حق کے لئے۔ تمہیں اٹھنا ہے ظلم کے خلاف۔"

(سرخ نشان والا بحری جہاز ساحل پہ لنگر انداز تھا۔ سپاہی صندوق اٹھا اٹھا کے اندر رکھ رہے تھے۔ ایڈم بن محمد عرشے پہ کھڑا مسکراتا ہوا ان کو دیکھ رہا تھا۔ ہوا سے اس کے چغے کی ٹوپی گر گئی تھی اور بال ماتھے پہ بکھر آئے تھے۔ مگر اسے وہ تازگی بھری ہوا اچھی لگ رہی تھی۔)

"اور تم یہی سوچ رہے ہو نا کہ تم لوگ آخر کیا کر سکتے ہو؟ تو میں تمہیں بتاتی ہوں کہ کس طرح تم مراد راجہ کے سارے محل کو ہلا کے رکھ سکتے ہو۔ نہ کسی تیر سے نہ تلوار سے۔ صرف اپنی ایک چپ سے۔"



مراد نے کھڑکی کا پردہ زور سے جھٹکا اور تیوریاں چڑھائے پلٹا تو سامنے تالیہ کھڑی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ سرد نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا خوبصورت منظر ہے' بابا۔"

"تم نے..... تم نے کیا ہے یہ سب؟ تین دن شہر کے قہوہ خانوں میں جا کے میرے خلاف بولتی رہی ہو تم۔" مراد دانت پیس کے غصے سے بولا تو تالیہ نے کندھے اچکائے۔

''اس سے فرق نہیں پڑتا کہ میں نے کیا کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اب آگے کیا ہونے جا رہا ہے۔''

''ہٹاؤ ان لوگوں کو یہاں سے۔ ابھی اسی وقت۔'' وہ سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ بولا۔

''میں تو ان کو نہیں ہٹا سکتی۔ یہ اپنی مرضی سے آئے ہیں' اپنی مرضی سے جائیں گے۔''

''ہٹاؤ ان کو ورنہ محل کی چھت پہ بیٹھے تیر انداز ان کو چھلنی کر دیں گے۔''

''کن کو چھلنی کر دیں گے؟ ان غلاموں کو جو شہر کے رؤساء اور امراء کے سارے کام کرتے ہیں؟ ایسی غلطی مت کیجیے گا بابا۔ کیونکہ آج دوپہر سے ملاکہ کی اکثر اونچی حویلیاں خالی ہو چکی ہیں۔ مالک پریشان ہیں اور غلام غائب ہیں۔'' وہ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔

''غلام ہر معاشرے کا سب سے اہم رکن ہوتا ہے' بابا۔ ارے آپ حکمران لوگ تو ہل کے پانی نہیں پی سکتے۔ ایسے میں یہ لوگ اگر بنا بتائے اپنی حویلیاں چھوڑ دیں تو سارے امراء گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔''

''میں ان بے وقوف پنچ لوگوں سے نہیں ڈرتا۔ کتنی دیر بیٹھ سکتے ہیں یہ یہاں؟ ہاں؟''

''آپ بھول گئے ہیں۔ یہ غلام ہیں۔ عام عوام نہیں۔ ان کو کئی کئی دن کھانا نہیں ملتا۔ ان سے سخت سے سخت موسم میں بھی کام کروایا جاتا ہے۔ بھوک اور موسم کی سختی ان پہ اثر نہیں کرتی۔ یہ تب تک یہاں بیٹھیں گے جب تک آپ وان فاتح کو کرسی پیش نہیں کرتے۔''

''میں... ان سے... نہیں ڈرتا۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے مٹھیاں بھینچ کے بولا۔ تالیہ نے پھر شانے اچکائے۔

''مگر آپ رؤساء اور امراء سے ڈرتے ہیں جو ابھی اپنے غلاموں کی خبر لینے یہاں پہنچ جائیں گے۔ سب پوچھیں گے کہ آخر وان فاتح کون ہے؟ سلطان تک بھی خبر جائے گی۔ وہ بھی شک میں پڑ جائے گا کہ اس غلام کو قید کیوں کیا گیا تھا آخر؟ کیا جواب دیں گے سب کو؟ یہی کہ اس نے شہزادی تاشہ سے نکاح کر لیا تھا' اس لئے؟''

''تم!'' مارے ضبط کے مراد نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''وقت کم ہے' بابا۔ اور وقت ہی سارے مسئلوں کا حل ہے۔ وان فاتح کو کرسی پیش کریں اور اس سے پوچھیں کہ وہ کیا چاہتا ہے۔'' پھر بازو سینے سے ہٹائے اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ ''راجہ!'' اور مسکرا کے مڑ گئی۔

مراد راجہ خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔

کھڑکی تلے دور نیچے بیٹھے غلاموں کے ہجوم کی خاموشی اس کے کانوں میں صور کی صورت گونج رہی تھی۔



ملاکہ کی بندرگاہ پہ سرخ جھنڈے والا بحری جہاز لنگر انداز ہو چکا تھا۔ سمندر دوپہر کے اس وقت پرسکون لگتا تھا۔ پانی دھوپ میں چمک رہا تھا اور بندرگاہ پہ روانہ ہوتے قافلوں کا شور معمول کے مطابق تھا۔

ایسے میں چینی بحری جہاز کے عرشے کے اوپر ایڈم بن محمد کھڑا تھا۔ دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ جمائے' وہ گردن اٹھائے دور تک پھیلا ملاکہ شہر دیکھ رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں سے سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔

اس کے سپاہی عقب میں مستعد سے کھڑے تھے۔ جب وہ ان کو اشارہ کرے گا تو وہ 'اپنے' صندوق نیچے اتاریں گے' مگر ایڈم کو پہلے خود ایک اشارے کی ضرورت تھی۔ اس کی کھوجتی نگاہیں ایک سے دوسرے سے ہوتیں ہجوم میں الجھی تھیں اور تبھی وہ اسے نظر آ گئی۔

سادہ بھورے رنگ کی باجو کرنگ میں ملبوس' وہ سر پہ مفلر کی طرح دوپٹہ لپیٹے مسکراتی ہوئی بحری جہاز کے زینے چڑھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کے ایڈم بھی مسکرایا۔ اپنی راجھدانی میں ہونے کے باوجود وہ آج سادہ نظر آ رہی تھی۔

ایڈم نے پل بھر کو پلکیں موندیں اور سات دن پہلے کی وہ دوپہر یاد کی جب وہ تینوں جیا کی بالائی منزل کے ہال نما کمرے میں ملے تھے۔ کونے کی میز کے گرد بیٹھے انہوں نے سارا منصوبہ ترتیب دیا تھا۔

''تم دونوں تین چاند والا جزیرہ ڈھونڈو گے اور اس کی طرف جاؤ گے۔ تالیہ...تم اپنے بہترین اور وفادار سپاہی ساتھ لے کر جاؤ گی جن کے خاندان تمہارے پاس محل میں ہوں گے تاکہ وہ خزانہ دیکھ کے تمہیں مارنے کی بجائے بحفاظت واپس لانے پہ مجبور رہیں۔''

سفید کرتے پاجامے میں ملبوس وان فاتح سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ درمیان میں نقشہ پھیلا رکھا تھا۔

''جزیرے پہ کچھ تو ہمارا منتظر ہوگا۔'' ایڈم کو تشویش ہوئی۔

''جو بھی ہو' تم اس سے لڑنا اور خزانے کو نکال لانا۔ ایڈم کشتی پہ واپس آ جائے گا اور تالیہ وہیں رہے گی۔ جہاز چین سے روانہ ہو چکا ہے وہاں پہنچنے میں چند دن لگیں گے۔ تمہیں صبر سے اس کا انتظار کرنا ہے۔''

''پلان سی!'' تالیہ نے کسی شاگرد کی طرح ہاتھ اٹھا کے اجازت مانگی تو دونوں اسے دیکھنے لگے۔

''اگر وہاں جا کے مجھے کوئی برا احساس ہوا تو میں ایڈم کو چھوڑ کے واپس آ جاؤں گی۔''

''مجھے پہلے ہی آپ سے یہی امید تھی کہ آپ مجھے چھوڑ کے آنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی ہیں۔'' ایڈم خفا ہوا تو تالیہ نے اسے گھورا۔

''میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ جلد یا بدیر راجہ کو وان فاتح کا علم ہو جائے گا۔ ملکہ بھی کوئی حرکت کر سکتی ہے۔ ایسی صورت میں میرا یہاں ہونا زیادہ ضروری ہے۔ ایک دفعہ خزانہ مل جائے تو تمہیں میری ضرورت نہیں ہوگی۔''

''میں اکیلا کیسے.....؟''

''ایڈم!'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ ''کب تک تم لیڈ ہوتے رہو گے؟ اب وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے فیصلے خود کرو اور بڑی بڑی مہموں پہ نکلنا خود سیکھو۔''

ایڈم نے بس ایک خفا نظر تالیہ پہ ڈالی اور پھر فاتح کو دیکھا۔

"اور اگر ملکہ نے جہاز نہ بھیجا تو؟"

"ایڈم ٹھیک کہہ رہا ہے' تو انکو۔ کیا ہمیں اس بات پہ یقین کر لینا چاہیے کہ ملکہ ہماری مدد کرے گی؟"

"بالکل نہیں کرنا چاہیے۔" وہ اطمینان سے بولا۔"ملکہ کا ہم سے کیا رشتہ ہے جو وہ ہماری مدد کرے گی۔" وہ دونوں اس کی شکل دیکھنے لگے تو وہ توقف سے بولا۔

"مگر ہمیں اتنا یقین ہے کہ ملکہ مراد راجہ کو نقصان پہنچانے کا موقع نہیں گنوائے گی۔ ملکہ ہماری بھی دشمن ہے مگر ہمیں اس کے اوپر اپنے اعتبار کو نہیں ماپنا۔ ہم نے اس کی مراد راجہ سے نفرت کو ناپ کے فیصلے کرنے ہیں۔"

"دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ میں سمجھ گئی!" تالیہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔"ملکہ ضرور جہاز بھیجے گی اور ہم سارا سونا لے بھی آئیں گے۔ اس کے بعد؟"

"امید ہے تب تک مراد سے میرا تعارف ہو چکا ہوگا۔ اس وقت تک اس کی ساری طاقت ختم ہو چکی ہوگی۔ میں اس کو مجبور کروں گا کہ وہ ہمیں واپس جانے دے۔"

"اور وہ سونا۔" ایڈم فوراً بولا تو تالیہ نے اسے دیکھا۔

"سونا ملاکہ کے لوگوں کی ملکیت ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں وہ شہر کے سارے غریب لوگوں میں بلاتفریق بانٹ دینا چاہیے تاکہ وہ اس سے اپنی زندگیاں سنوار سکیں۔ میں صحیح کہہ رہی ہوں نا تو انکو۔"

"سونا ملاکہ کے لوگوں کا ہے اور اس کا فائدہ لوگوں کو ہی ملنا چاہیے۔" اس نے رسان سے کہا تو تالیہ مسکرا دی۔ ایڈم کو بھی سن کے بھلا معلوم ہوا۔

"لیکن سر..." پھر اسے خیال گزرا۔"آپ راجہ کو کیسے مجبور کریں گے کہ وہ ہمیں واپس جانے دیں۔"

"جس دن تم جہاز لے کر واپس آؤ گے' تم خود جان لو گے۔" اس نے بھی مسکرا کے تسلی دی۔ اور جیا کی وہ پراسراریت بھری فضا میں ڈوبی دوپہر دھندلی ہوتی گئی۔

"امانت داری سے واپس لے آئے سب کچھ؟" تالیہ کی بات پہ چونکا۔ وہ اب عرشے تک آ چکی تھی۔ ایڈم سنبھل کے مسکرایا۔ وہ بحری جہاز کے عرشے پہ کھڑا تھا اور تالیہ سیڑھیاں چڑھتی اوپر آ رہی تھی۔

"آپ تو شاید میرا تابوت دیکھنے کی دعا کر رہی تھیں۔"

"اگر تمہارے لئے میری دعائیں پوری ہوتیں تو آج تمہارے جنازے کو چار ماہ بیت چکے ہوتے۔" وہ اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ عرشے کے کناروں پہ لوہے کی ریلنگ لگی تھی۔ تالیہ نے اسے تھام لیا اور سمندر کے پانی کو دیکھنے لگی۔

''حالات کیسے ہیں؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''جیسے ہم نے سوچے تھے۔ اب بہت جلد مراد راجہ گھٹنے ٹیک دے گا۔''

''شکر۔ اور یہ سارا سونا ہم ملاکہ کے غریبوں میں بانٹ دیں گے۔ مجھے یہ سب کر کے بالکل رابن ہُڈ والی فیلنگ آ رہی ہے۔ وہ بھی اسی طرح خوش ہوتا ہوگا۔''

تالیہ ہنس دی۔ ''رابن ہُڈ ایک چور تھا۔''

''مگر وہ غریبوں میں اپنی چوری بانٹ دیتا تھا۔ چور چور میں فرق ہوتا ہے۔''

وہ دونوں عرشے کی ریلنگ کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے اور نیچے ایک طرف سمندر پھیلا تھا' دوسری طرف ساحل پہ کشتیوں' ملاحوں اور مسافروں کا ہجوم دکھائی دیتا تھا۔ وہ جواب میں پھر سے ہنسی تو ایڈم بولا۔

''آپ رابن ہُڈ کو چھوڑیں' اپنے وان فاتح کی سنائیں۔ آپ کی ضرورت پڑی ان کو یا نہیں؟''

تالیہ نے جواباً بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ''شہزادی جیسی تاشہ نے ایک غلام سے شادی کی تھی اور اسے آزاد کر دیا تھا۔ سو میں نے بھی انہیں آزاد کروا ہی دیا۔ تقریباً۔'' پھر چونکی۔ ''تاشہ کی نظم!'' کچھ یاد آیا۔ ''وہ تو میں نے لکھی ہی نہیں۔''

''وہ جو آپ نے خواب میں سن باؤ کے گھر لکھی دیکھی تھی۔''

''ہاں وہی۔ وہ تو میں نے ابھی لکھنی تھی۔''

''تو جا کے لکھ لیں۔''

تالیہ نے پھر گومگوں نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مگر ضروری تو نہیں کہ وہ نظم میں نے ہی لکھی ہو۔ اور کیا ضرورت ہے مجھے اسے لکھنے کی۔''

''درست کہا۔ جو تاریخ میں ہو چکا ہے' وہ کسی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ زبردستی حالات کا رخ نہیں موڑ سکتیں۔'' پھر وہ ساحل کی طرف دیکھنے لگا جہاں چینی فوجیوں کا قافلہ آتا دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے ہمراہ گھوڑا گاڑیوں کی ایک قطار تھی۔ ایڈم نے گہری سانس لی۔

''آخری مرحلہ شروع ہو چکا ہے۔'' تالیہ نے چونک کے اس طرف دیکھا۔

ایڈم اب سپاہیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اسے بہت سی ہدایات جاری کرنی تھیں۔

☆......☆......☆

عصر کا وقت ہوا تو بنداہارا کے محل پہ ٹھنڈی چھایا اتر آئی۔ دیوان خانے کی اونچی کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے اور اندر ایک میز کے گرد دو کرسیاں رکھی دکھائی دیتی تھیں۔ دونوں خالی تھیں۔

مراد راجہ دیوار سے ٹیک لگائے' ہاتھ میں ننھا سا حقہ تھامے کھڑا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ حقے کی نال لبوں میں دباتا اور گڑگڑاہٹ سے تمبا کو اندر کھینچتا۔ پھر نال ہٹا کے منہ سے دھواں باہر نکالتا۔ دھوئیں کے مرغولے بنتے ہوئے فضا میں تیرنے لگتے۔ وہ بظاہر پرسکون لگتا تھا مگر کبھی کبھی چہرے پہ اضطراب دکھائی دینے لگتا جسے وہ مسلسل چھپانے کی سعی کر رہا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور دو سپاہی وان فاتح کے ہمراہ اندر داخل ہوئے۔ اس نے اب پاجامے پہ خاکی کرتا پہن رکھا تھا۔ آستین پورے تھے اور ہاتھ کی پٹیاں نظر آتی تھیں۔ کنپٹی کے زخم اور سر کے زخم پہ لیپ شدہ دوا سوکھ چکی تھی۔ کوئی زنجیر نہیں' کوئی ہتھکڑی نہیں۔

اس کے چہرے کے تاثرات ہموار تھے۔ پرسکون۔ ٹھنڈے۔ سپاہی چلے گئے تو اس نے بس نگاہیں گھما کے اس خالی خالی سے کمرے کو دیکھا' پھر نظر کرسی میز پہ ٹھہری۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''ہماری دنیا میں جب کوئی مذاکرات کرنے پہ راضی ہو جائے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں میز پہ آمنے سامنے بیٹھنے کو تیار ہے۔''

وہ محظوظ سا بولا۔ مراد راجہ نے کھڑکی سے ٹیک لگائے' شکاری نظریں اس پہ جمائے' حقے کا کش لیا اور حقہ کھڑکی کی منڈیر پہ رکھا۔ پھر سر کے خم سے اشارہ کیا۔

''کرسی حاضر ہے۔ تم بیٹھو۔''

فاتح نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ پیشکش قبول کی اور کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ پھر ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ ''تم بھی بیٹھو' راجہ۔''

''تمہارے بیٹھنے کی بات ہوئی تھی' میرے نہیں۔'' وہ وہیں ٹیک لگائے کھڑا رہا۔

''اوہ۔ تم مجھے اپنے برابر کا نہیں سمجھتے۔ خیر۔'' اس نے سادگی سے شانے اچکائے۔ اس کی چھوٹی خوبصورت آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔

''اس ہجوم کے بارے میں تو سن لیا ہوگا تم نے۔'' مراد راجہ نے کھڑکی سے نیچے نظر آتے لوگوں کی طرف اشارہ کیا تو کرسی پہ بیٹھے فاتح نے سر کو خم دیا۔

''میں ایک عرصہ ان لوگوں کو ان کے اپنے لئے کھڑا ہونے کی ترغیب دیتا رہا' مگر کمزور لوگ شاید اپنے لئے کھڑے نہ بھی ہوں تو اس کے لئے ضرور ہوتے ہیں جس سے وہ محبت کرتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ کم از کم یہ لوگ کھڑے تو ہوئے۔''

مراد نے حقہ اٹھایا اور غور سے دور بیٹھے فاتح کی آنکھوں میں دیکھا۔

''ان لوگوں کو یہاں سے بھیجنے کا کیا لو گے؟''

''یقیناً ان کے مالک تمہیں تنگ کر رہے ہوں گے۔ جلد سلطان کو خبر ملنے والی ہو گی۔ لیکن یہ لوگ تمہارا مسئلہ نہیں ہیں۔ تمہارا

مسئلہ آج دوپہر ملاکہ کی بندرگاہ پہ لنگرانداز ہوا ہے۔''

مراد چونکا۔ ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔''کیا مطلب؟''

''ہم نے تین چاند والا جزیرہ ڈھونڈ لیا ہے' اور تمہارا پالتو وحشی درندہ مار کے تمہارا خزانہ بحفاظت ملاکہ لے آئے ہیں۔''

مراد لمحے بھر کو ششدر رہ گیا۔ پلک تک نہ جھپک سکا۔

''وہ خزانہ چینی بحری جہاز پہ آیا ہے۔ اور اسے چینی سفارتخانے بھیجا گیا ہے۔ بظاہر وہ چین سے آئے قرضے کے سکوں سے بھرے صندوق ہیں لیکن ان میں سے اکیس صندوق تمہارے ہیں۔''

مراد ایک دم تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا' مگر پھر رک گیا۔

''یہی سوچ کے رکے ہونا کہ چینی سفارتخانے پہ حملہ نہیں کروا سکتے تم! میں نے بھی یہی سوچ کے چینی جہاز میں سامان لانے کو کہا تھا۔ بالفرض تم چینی سفارتخانے پہ حملہ کروا بھی دو تو اپنی فوج اور سلطان کو کیا وجہ بتاؤ گے؟ تم خزانے کی حقیقت کھولنے کے متحمل نہیں ہو۔''

مراد کے قدم زنجیر ہو گئے۔ وہ کمرے کے وسط میں مجسمے کی طرح کھڑا فاتح کو دیکھنے لگا' اس حالت میں کہ اس کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔

''یان سوفو... وہ تمہارے ساتھ شریک تھی۔ ہے نا!'' اسے سارا کھیل سمجھ میں آ رہا تھا۔

''آگے کا سوچو راجہ۔ اگر تم ہر خطرہ مول لے کر چینی سفارتخانے پہ حملہ کر بھی دو تو جانتے ہو سفارتکاروں کو مارنا کتنا سنگین جرم ہے ؟ وہ بھی اس دور میں جب کہ تمہاری ملکہ چینی ہے؟ نہیں مراد راجہ۔ تم چین سے جنگ چھیڑنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگیں مگر آواز میں نہ کوئی غراہٹ تھی' نہ گرج۔ اس کے قدموں تلے سے زمین سرک چکی تھی۔

''تم جانتے ہو میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ شہزادی تاشہ جنوبی محل نہیں گئی تھی۔ وہ جزیرے پہ گئی تھی اور ملاکہ کے لوگوں کی امانت واپس لے آئی ہے۔''

چند لمحے کمرے میں ہولناک خاموشی چھائی رہی۔ مراد راجہ بت بنا کھڑا بے یقینی اور غیض و غضب سے اسے دیکھے گیا جو مطمئن سا کرسی پہ بیٹھا تھا۔

''تم.... کیا چاہتے ہو؟''

''میں تمہیں چند راستے دکھانا چاہتا ہوں! اگر تم نے سفارتخانے پہ حملہ کروایا تو سلطان کو ناراض کر دو گے اور چین سے جنگ چھڑ جائے گی۔ اگر تم نے ان لوگوں کو محل کے سامنے سے نہ ہٹایا تو سلطان کو علم ہو جائے گا کہ تم نے کسی غلام کو قید کر رکھا ہے۔ بات کھلے گی اور

میرے اور تالیہ کے نکاح کے بارے میں سب کو علم ہو جائے گا۔ اس نکاح کے گواہ بھی ہیں اور ثبوت بھی۔ اس کے بعد سلطان تمہیں جان سے مارنے کا حکم بھی دے سکتا ہے۔ اور اگر اس سب سے پہلے تم نے مجھے مار دیا تو نہ صرف تمہاری بیٹی تم سے نفرت کرے گی بلکہ تمہارے پاس خزانے کے بارے میں مذاکرات کرنے کے لئے کوئی نہیں بچے گا۔''

''تم.... کیا چاہتے ہو؟''

''میں جانتا ہوں اب تک تم نے سلطان سے بغاوت کرنے کا سوچ لیا ہو گا۔ اپنی خفیہ فوجیں بھی تیار کر رکھی ہوں گی کیونکہ تم جانتے ہو اب تالیہ اور سلطان کی شادی ممکن نہیں ہے۔ تمہیں اس وقت 'خطرے' کو سامنے سے ہٹانا ہے۔ اور میں سب سے بڑا خطرہ ہوں۔ اصولاً تمہیں میری جان لے لینی چاہیے مگر یہ ناممکن ہے اس لئے تم ایک کام کرو۔''

''تمہیں چابی دے دوں تاکہ تم واپس چلے جاؤ؟'' وہ طنز سے بولا۔

''صرف میں نہیں۔ تالیہ میرے ساتھ جائے گی۔ جب ہم دونوں غائب ہو جائیں گے تو تم سلطان کو کوئی بھی وجہ بتا کے ٹال سکتے ہو۔ ملکہ نکاح والی بات دہرا بھی دے تو تم کہہ سکتے ہو کہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ دونوں منکوح تو ملاکہ سے جا چکے ہوں گے۔ تالیہ چلی جائے تو ملکہ بھی مزید اس معاملے کو نہیں کریدے گی۔ تم بنداہارا رہو گے اور حکومت کرو گے۔ ہاں اگر ہمارے جاتے ہی سلطان تمہارے خلاف ہو گیا تو تم بغاوت کر کے تخت پہ قبضہ کر سکتے ہو۔ اس سارے مسئلے کا حل ہم دونوں کے یہاں سے چلے جانے میں ہے۔'' وہ روانی سے بتا رہا تھا۔

مراد کے وجود میں حرکت ہوئی۔ وہ قدم قدم چلتا فاتح کے سامنے آیا اور مقابل رکھی خالی کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھے جھکا۔

''تالیہ.... میری.... بیٹی ہے۔ میں اسے نہیں جانے دوں گا۔''

''وہ تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ اسے جلد یا بدیر یہ دنیا چھوڑ کے جانا ہی ہے۔ اور ہمارے یہ مذاکرات تب ہی کامیاب ہوں گے جب تم تالیہ کو میرے ساتھ بھیجو گے۔''

مراد خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھتا ضبط سے گہرے سانس لیتا رہا۔

''اور خزانہ؟ اس کو غریبوں میں بانٹ دو گے کیا؟'' انداز میں تحقیر اور استہزاء تھا۔

''تالیہ یہی چاہتی ہے کہ اسے غریبوں میں بانٹ دیا جائے۔'' وہ ٹھہرا۔

مراد مزید اس کی طرف جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''مگر تم تالیہ نہیں ہو۔ تم لامتناہی کھیل کھیلنے والے آدمی ہو اور تمہارے کھیل میں حدود و قیود اپنی مرضی سے بدلی جا سکتی ہیں۔ تم بتاؤ خزانے کا کیا کرنا چاہتے ہو۔''

کرسی پہ بیٹھا وان فاتح بن رامزل مسکرایا۔

''ہاں میں تالیہ نہیں ہوں۔اس لئے میں اور تم خزانے کے بارے میں ایک معاہدہ کر سکتے ہیں۔''

مراد کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ بکھری۔

''تم بالکل میرے جیسے ہو۔وہی طاقت کی ہوس' وہی اپنی ذات کی پرستش!''

''مراد راجہ!'' اس نے مراد کی بات نظر انداز کی۔''میں تمہیں سارا خزانہ واپس کر سکتا ہوں اگر تم ملاکہ کے تمام ناجائز غلاموں کو آزادی دلوا دو۔''

مراد کے ابرو تن گئے۔''وہ کیسے؟''

''تم ملک میں قانون بنا دو کہ صرف غیر مسلم جنگی قیدی کو غلام بنایا جا سکے گا۔ساری دنیا میں مسلمانوں کا یہی اصول ہے۔مسلمان کو غلام نہیں بنایا جاتا۔اس وقت ملاکہ کے چند بڑے رئیسوں کے پاس بہت سے ایسے غلام ہیں جو مسلمان ہیں اور اغوا کر کے جبراً ان کو غلام بنایا گیا ہے۔اب تم ان کے مالکوں کو ان کی قیمت ادا کر دو یا ان کو ڈراؤ دھمکاؤ' جس وقت وہ غلام آزاد ہو جائیں گے میں تمہارا خزانہ واپس کر دوں گا۔ملاکہ کے لوگوں کی دولت لوگوں کے ہی کام آنی چاہیے۔''

''اور پھر میں تمہیں چابی دے دوں اور تمہیں یہاں سے جانے دوں؟'' وہ طنز سے بولا۔

''ہاں۔ورنہ سلطان کو اس نکاح کی خبر ہو جائے گی اور تمہاری مشکلات بڑھ جائیں گی۔لیکن اگر تم میری بات مان لو تو تم بدستور حکمرانی کرتے رہو گے اور مزید جزیروں پہ اپنا مال چھپاتے رہو گے۔میں تمہیں بدعنوانی کرنے اور لوگوں کا مال لوٹنے سے نہیں روک سکتا' لیکن میں اپنے اور تالیہ کے لئے بقا کا راستہ ڈھونڈ سکتا ہوں۔''

چند لمحے وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا' جیسے ذہن میں جمع تفریق کر رہا ہو۔پھر آہستہ سے بولا۔

''تم چلے جاؤ۔میں تمہیں چابی دے دوں گا۔لیکن تالیہ کو مت لے کر جاؤ۔وہ گئی تو واپس نہیں آئے گی۔''

''تم نے اسے خود اپنے اعمال سے کھویا ہے۔وہ تمہارے کردار سے نفرت کرتی ہے۔تمہاری طاقت کی ہوس' تمہاری چالبازیاں....'' پھر سر جھٹکا۔''خیر' اس کے بغیر ہمارا کوئی معاہدہ مکمل نہیں ہوگا۔''

مراد نے گہرا ہنکارا بھرا۔''مجھے سوچنے دو۔''

''وقت کم ہے' مراد۔اور یہ سارے کھیل وقت کے ہی ہیں۔''

''کچھ دیر....مجھے کچھ دیر سوچنے دو۔'' اس نے بے بسی بھری ناگواری سے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

مراد سیدھا اپنے کمرے میں گیا تھا۔سارے دروازے کھڑکیاں بند کر کے وہ زمین پہ بدھا کے انداز میں آلتی پالتی کر کے بیٹھا اور سرخ پٹی اتار پھینکی۔پھر آنکھیں بند کر لیں۔ساری آوازوں اور سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیا۔دماغ کو ایک نکتے پہ مرکوز کیا۔

اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا اور لب بڑبڑا رہے تھے۔

''میں مراد راجہ ہوں۔ ملاکہ سلطنت کا بنداہارا۔ مجھے کوئی یوں نہیں ہرا سکتا۔ کوئی مجھ سے میرا تخت اور میری بیٹی نہیں چھین سکتا۔''

مغرب ڈھل گئی اور باہر بیٹھے لوگ اسی طرح بھوکے پیاسے بیٹھے رہے۔ ان کو بلانے کے لئے آنے والے ان کے مالکوں کے وفادار غلام بھی گھوڑوں پہ آئے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے بہت پکارا' غصہ کیا' آوازیں دیں' مگر وہ غلام ٹس سے مس نہ ہوئے۔ وہ بس محل کی اونچی کھڑکیوں کو دیکھتے رہے اور لبوں پہ چپ کی مہر لگی رہی۔

وان فاتح کرسی پہ بیٹھا کھڑکی کے باہر آسمان پہ چھاتی سیاہی دیکھ رہا تھا۔ کافی وقت بیت چکا تھا اور مراد واپس نہیں آیا تھا۔

اسے ذرا فکر ہوئی مگر اس نے اعصاب کو ٹھنڈا رکھا۔

مغرب اتر آئی تو دروازہ کھلا اور مراد اندر داخل ہوا۔ آتے ساتھ ہی اس نے دروازہ بند کیا اور کھڑکیوں کے آگے پردے جھٹک کے برابر کیے۔ پھر فاتح کے سامنے آیا۔ سرخ پٹی ماتھے سے غائب تھی اور ہاتھ میں ایک بوتل تھی۔ اس نے بوتل میز پہ رکھی تو فاتح نے دیکھا۔ اس کے پیندے میں سکہ اور ڈلی پڑی تھی۔ ٹوٹی ہوئی چابی۔

مراد کا چہرہ وہ نہیں تھا جو پہلے تھا۔ وہ پرسکون نظر آتا تھا۔ مسکرا بھی رہا تھا۔ پھر اس نے کرسی کھینچی اور سامنے بیٹھا۔ دونوں ہاتھ میز پہ جما کے اس کی طرف جھکا۔

''میں تمہاری دنیا کے باسیوں کی طرح میز پہ آنے کو تیار ہوں۔''

وان فاتح نہیں مسکرایا۔ کچھ عجیب سا تھا' مراد راجہ کی مسکان میں جو اسے غیر آرام دہ کر رہا تھا۔

''کیا فیصلہ کیا تم نے؟'' وہ بظاہر ٹھنڈا رہا۔

''میں نے ابوالخیر اور تمام روساء کو پیغام بھیج دیا ہے۔ چند ساعتیں پہلے انہوں نے تمام ناجائز غلام آزاد کر دیے ہیں۔ حکم نامے تحریری طور پہ تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔''

''تم نے ان کو رقم ادا کی؟''

''میں ان کا بنداہارا ہوں۔ میرے احسان ہیں ان پہ۔ اور تم جانتے ہو میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ ناجائز غلام آزاد ہیں۔ وہ کل صبح سے اپنی نئی زندگی شروع کریں گے۔''

''مجھے تمہاری بات پہ یقین ہے۔''

''اس کے علاوہ یہ رہی چابی۔ تم مجھے سونا واپس کر دو اور اپنی دنیا میں چلے جاؤ۔ تالیہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ مجھے تمہاری ہر بات منظور ہے۔''